

# جاسوسی دنیا

42- نیلی لکیر

43- تاریک سائے

44- سازش کا جال



جاسوسی دنیا نمبر 43

# تاریک سائے

(مکمل ناول)

## پیش رس

”تاریک سائے“ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ وہ لوگ اب بھی اس دنیا میں زندہ ہیں جن کے اندر نسلی برتری کا احساس موجود ہے جو اٹھارویں صدی کے ماحول کی طرح آج بھی یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے علاوہ دیگر اقوام ذلیل اور کمتر ہیں۔ ایسے افراد کتنے بھیانک، انسانیت کے لئے کتنے تباہ کن اور تہذیب و تمدن کے لئے کتنے مضرت رساں ہوتے ہیں۔ اس کا اندازہ آپ کو اس کہانی کے ایک کردار سے ہو سکے گا۔

اس کہانی میں ایک چھپا ہوا گہرا طنز بھی ہے۔ ان لوگوں پر جو دوسروں کی ایجادات پر، دوسروں کے کارنامے پر اپنی شہرت کی عمارتیں کھڑی کرتے ہیں وہ چاہے سائنسٹ ہوں، فلسفی، مصنف یا کاریگر! آخری صفحات میں فریدی کی زبان سے ایسے نقالوں کا پردہ فاش ہوتے دیکھئے! حالانکہ فریدی صرف مجرم کے بارے ہی میں بتاتا ہے لیکن یہ بات ہر اس فرد پر عائد ہوتی ہے جو دوسرے کی ایجاد کے امتیاز کو چھین کر اپنا بنانا چاہتا ہے۔

ابن صفی نے اس کہانی میں دو تین باتیں جان بوجھ کر چھوڑ دی ہیں۔ ان کے اشارے بہت لطیف ہیں۔ آپ خود سوچئے کہ فریدی نے ایسا کیوں کیا؟ اور تھوڑا سا سوچنے پر آپ کو اس کا جواب مل جائے گا۔ ابن صفی اپنے قارئین کی ذہانت کے قائل ہیں اور وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ ان کی کہانیاں صرف ”پڑھنے والی ڈھرے کی چیز“ نہ رہ جائیں۔ بلکہ ان میں ذہانت بھی ہو، معلومات بھی ہو، غور و فکر بھی ہو اور گہرائی بھی ہو۔ اس گہرائی اور بلند فکری کی مثال اس کہانی میں چھوٹے چھوٹے وہ سینکڑوں جملے ہیں جو پروفیسر داغ کی زبان سے کہلوائے گئے ہیں یا فریدی نے انہیں ادا کیا ہے۔

اس سب کے علاوہ ”تاریک سائے“ کی سب سے بڑی خصوصیت اس کا ہیبت ناک ماحول ہے۔ سنسنی خیز، پُر اسرار، رو نگئے کھڑے کر دینے والا ماحول! کہیں کہیں تو دل کی دھڑکنیں اتنی تیز ہو جاتی ہیں کہ آپ ہی آپ سارا جسم کانپ اٹھتا ہے۔ خصوصاً آخری صفحات کا قہرل، دہشت ناک ماحول، ہیبت ناک واقعات بھیانک، خوفناک اور دل ہلا دینے والے مناظر آپ ہی اپنا جواب ہیں۔ ایسا لگتا ہے جیسے سب کچھ سامنے ہی ہو رہا ہے۔

## کار میں لاش

سورج غروب ہوتے ہی سارے شہر پر دھند چھا گئی اور سردی کی شدت سے سڑک پر چلنے والوں کے دانت بجنے لگے۔ حمید کو اس کی توقع نہیں تھی کہ سردی اچانک اتنی بڑھ جائے گی۔ وہ دوپہر کو آفس سے نکل بھاگا تھا اور اس کے جسم پر فاختی رنگ کے آئیرن کا ہلکا سا سوٹ تھا۔۔۔ اور اب اس وقت وہ سردی کا احساس کم کرنے کے لئے بالکل اسی انداز میں انگریزی کا ایک سونیٹ گنگنا رہا تھا، جیسے سردی کھائے ہوئے کتے کے پلے بے ہنگم آواز میں چیاؤں چیاؤں کرتے ہیں۔

مشکل تو یہ تھی کہ وہ فی الحال گھر بھی نہیں جانا چاہتا تھا۔ حقیقتاً وہ ایک خوبصورت عورت کا تعاقب کر رہا تھا اس کی کار آگے تھی اور حمید ایک ٹیکسی میں بیٹھا ہوا سوچ رہا تھا کہ آخر اس عورت میں کونسی ایسی خاص بات ہے جو اسے تعاقب جیسی لغو حرکت پر اکسا دیتی ہے۔ وہ کئی دن سے اس کا تعاقب کر رہا تھا اور ابھی تک کوئی ایسا موقع ہاتھ نہیں آیا تھا جس سے فائدہ اٹھا کر وہ اس سے تعارف حاصل کر سکتا۔ بس وہ اسے روزانہ کہیں نہ کہیں دکھائی دے جاتی تھی اور وہ اس کا تعاقب شروع کر دیتا تھا۔ اس وقت بھی وہ اسی حرکت میں ”بتلا“ تھا۔

اگلی کار شہر کی متعدد سڑکوں سے گذر کر اس ویران سڑک پر ہوئی جو نیاگرہ ہوٹل کی طرف جاتی تھی۔ حمید سوچ رہا تھا کہ اگر وہ نیاگرہ ہوٹل ہی جارہی ہے تو اس کا تعلق یقیناً کسی دولت مند گھرانے سے ہوگا۔

تھوڑی دیر بعد کار نیاگرہ ہوٹل کی کمپاؤنڈ میں داخل ہو رہی تھی۔ حمید نے اپنی ٹیکسی باہر ہی رکوالی۔ وہ اکثر یہاں آچکا تھا۔ لیکن اس وقت کچھ اس بُری طرح وہ عورت اس کے ذہن پر سوار

تھی کہ اسے یہاں کے قواعد و ضوابط بھی یاد نہ رہے۔

عورت ڈاننگ ہال میں داخل ہو چکی تھی۔ اس کے بعد ہی حمید نے بھی اندر گھسنا چاہا۔ لیکن باہر کھڑے ہوئے بل کیپٹن نے اُسے رکنے کا اشارہ کیا اور ساتھ ہی اس نے ایک نوٹس بورڈ کی طرف انگلی اٹھائی جس پر تحریر تھا ”شام کی تفریح کے لئے ایوننگ سوٹ میں آنا ضروری ہے۔“

”میں ڈیوٹی پر ہوں.... سبجے۔“ حمید جھلا گیا۔

”حضور والا! میں بھی ڈیوٹی ہی پر ہوں۔“ بل کیپٹن نے بڑی لجاجت سے کہا۔

”میرا کارڈ نیجر تک پہنچا دو۔“ حمید اسے گھور کر بولا۔

”یہ ہو سکتا ہے جناب۔“ کیپٹن نے مسکرا کر کہا۔ پھر ایک بل بوائے کو اشارے سے بلا کر بولا۔

”صاحب کا کارڈ.... نیجر صاحب تک پہنچا دو۔“

حمید نے کارڈ نکال کر اُسے دے دیا۔

تھوڑی دیر بعد نیجر خود دروازے پر موجود تھا۔

”اوہ.... کپتان صاحب! مجھے افسوس ہے۔“ نیجر نے کہا۔ ”بل کیپٹن کی کوئی غلطی نہیں۔“

آپ یہاں کے لئے نئے بھی نہیں ہیں۔“

”ٹھیک ہے۔“ حمید نے کہا۔ ”میں ایک آدمی کی نگرانی کر رہا ہوں اور اتفاق سے میرے منجھے

کا قانون ایوننگ سوٹ کی قطعی پرواہ نہیں کرتا۔“

”کیا کوئی خاص بات ہے۔“ نیجر مضطربانہ انداز میں بولا۔ ”آج یہاں کرئل صاحب بھی

موجود ہیں۔“

”کون....!“ حمید چونک کر بولا۔ ”کیا فریدی صاحب۔“

”جی ہاں.... اور وہ ہمیشہ ہی خاص مواقع پر آتے ہیں۔“

حمید بوکھلا گیا۔ اس نے نیجر سے صریحاً جھوٹ بولا تھا۔ اگر فریدی کو اس حرکت کی اطلاع

ہو جاتی تو وہ اس کی چڑی ادھیڑ دیتا۔ اب مصیبت یہ تھی کہ وہ نیجر سے اس قسم کی گفتگو کرنے کے

بعد واپس بھی جاسکتا تھا۔

”آپ اندر تشریف لا سکتے ہیں۔ لیکن آپ کو کرئل صاحب ہی کی میز پر بیٹھنا پڑے گا۔ وہ

اپنی میز پر تنہا ہیں۔ بقیہ ساری میزیں بھری ہوئی ہیں۔“

حمید کی بوکھلاہٹ اور بڑھ گئی۔

”بہت اچھا....!“ وہ جلدی سے بولا۔

اندر پہنچ کر ایک ویٹر نے فریدی کی میز تک اُس کی رہنمائی کی۔

فریدی کے سامنے کافی کی ٹرے رکھی ہوئی تھی اور وہ کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے سگار پی رہا تھا۔ اس نے حمید کو تحیر آمیز نظروں سے دیکھا۔

حمید جلدی سے بیٹھتا ہوا بولا۔ ”آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا.... میں نے سنا تھا....!“

”تم اس سوٹ میں یہاں کیسے؟“ فریدی نے اس کی بات کاٹ دی۔

”اوہ.... میرے لئے کہیں کوئی پابندی نہیں۔ میں بہت گریٹ آدمی ہوں۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ صرف اُسے گھورتا رہا۔

حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ”میں وہسکی پیوں گا۔“

”آج میں نے ایسے جوتے پہن رکھے ہیں جنہیں اتارنے میں زیادہ جھنجھٹ نہ کرنی پڑے گی۔“

”بغل میں دبا کر بھاگے گا....؟“ حمید نے ڈھٹائی سے پوچھا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ اس نے پیالے میں کافی انڈیلی اور اس میں دودھ ڈالے بغیر شکر ملانے

لگا.... حمید اس کی خاموشی سے اتنا کر چاروں طرف نظر دوڑانے لگا۔ لیکن وہ عورت اُسے کہیں نظر نہ آئی۔

”آپ یہاں کیوں آئے ہیں۔“ حمید نے فریدی سے پوچھا۔

”اُسی عورت کے لئے جس کے پیچھے تم آئے ہو۔“

”کیا....؟“ حمید بوکھلا گیا۔ ”میرے خدا کیا سچ مچ آپ جادوگر ہیں۔“

”نہیں.... لیکن میں تم سے زیادہ تجربہ کار ہوں۔ اس بات کا اندازہ میں نے تمہارے سوٹ

سے لگایا ہے۔“

”سوٹ سے! بھلا وہ کس طرح۔“

”اگر تم گھر ہی سے یہاں آنے کا ارادہ کر کے چلے ہوتے تو ایونگ سوٹ پہن کر آتے۔ تم

نے شاید اسے راہ میں دیکھ لیا اور اپنی گندی عادت سے مجبور ہو کر اس کے پیچھے لگ گئے۔“

حمید کچھ نہ بولا.... فریدی نے سگار کا کش لے کر مسکراتے ہوئے کہا۔ ”تم یہ بھی نہیں

جانتے کہ وہ ہے کون۔“

”یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔“

”تمہارا سوٹ ہی یہ کہنے پر مجبور کر رہا ہے۔ اگر تم اس سے واقف ہوتے تب بھی اس وقت

تمہارے جسم پر ایوننگ سوٹ ہوتا۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”ابھی سمجھ لو گے۔“

”خیر وہ تو میں پھر سمجھ لوں گا۔“ حمید نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ”لیکن یور ہارڈ شپ نے کب

سے عورتوں کے پیچھے دوڑنا شروع کر دیا۔“

”اس کا جواب یہ ہے کہ مجھے بھی بعض عورتیں دلچسپی لینے پر مجبور کر دیتی ہیں۔“

”اچھا....!“ حمید نے تھیر آئیز لہجے میں کہا۔ ”تو وہ ایسی ہی عورت ہے۔“

”اس سے بھی کچھ زیادہ۔“

”تب تو پھر آپ مجھے اس سلسلے میں برا نہیں کہہ سکتے۔“ حمید چمک کر بولا۔

”جب کرنل ہارڈ اسٹون جیسا آدمی اس کے لئے ہوٹل گردی کر سکتا ہے.... تو یہ خاکسار؟

.... ظاہر ہے۔“

فریدی صرف مسکرا کر رہ گیا۔

اچانک آرکسٹرانے موسیقی شروع کر دی اور حمید کو یاد آیا کہ آج تو نیا گرا ہوٹل میں ایک

اسٹیشنل پروگرام تھا۔ اس نے صبح ہی اخبار میں اس کے متعلق دیکھا تھا۔ اٹلی کی راقصہ گریٹا سیرانو

اپنے آرٹ کا مظاہرہ کرنے والی تھی۔

حمید کی نظر اسٹیج کی طرف اٹھ گئی جس کا جھلملاتا ہوا پردہ درمیان سے شق ہو کر آہستہ آہستہ

دائیں بائیں سرک رہا تھا۔

اور پھر اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب اس نے اسی عورت کو اسٹیج پر کھڑے دیکھا جس

کا تعاقب کرتا ہوا وہ یہاں تک آیا تھا۔ اس وقت وہ جسم کے گداز کی نمائش کرنے والے مغربی

لباس میں تھی۔ حمید اپنے دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھ کر بڑبڑایا۔ ”لاحول ولا قوۃ.... پھوٹ

جائیں گی کنواروں کی آنکھیں۔“

”کیوں....؟“ فریدی بولا۔ ”میں نہ کہتا تھا کہ تم اس کی شخصیت سے ناواقف ہو۔“  
 ”مجھے حیرت ہے کہ یہی گریٹا ہے میں تو اسے مشرقی عورت سمجھا تھا۔ لاحول ولا قوۃ....  
 میں چلا۔“

”کیوں؟ بیٹھو....!“ فریدی بولا۔

”قسم لے لیجئے جو میں اس کی ٹانگیں دیکھنے کی غرض سے آیا ہوں۔“ حمید نے اپنا منہ پیٹتے ہوئے کہا۔ ”اس قسم کا نیم عریاں رقص دیکھ کر ہفتوں میرادل گوشت کھانے کو نہیں چاہتا.... اور پھر یہ مغربی طرز کا رقص لاحول والا.... بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی منہ زور مینڈھا ہوا سے لڑ رہا ہے۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ رقص دیکھنے کے بجائے ہال کی میزوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ لوگوں نے اپنے مشاغل ترک کر دیئے تھے اور اب اتنے انہماک سے اسٹیج پر تھرکتے ہوئے نیم عریاں جسم کو دیکھ رہے تھے۔ جیسے وہ پیدا ہونے کے بعد سے اب تک اسی کے منتظر رہے ہوں۔

گریٹا ناچتے ناچتے اسٹیج سے ہال کے فرش پر اتر آئی۔ اب اس نے ایک اطالوی گیت بھی شروع کر دیا تھا۔ وہ ناچتے ناچتے کسی میز کے قریب رک کر لوگوں کو چھیڑتی اور پھر ناچتی ہوئی دوسری طرف گھوم جاتی۔ اس کے ہاتھ میں ایک ریشمی رومال تھا جسے وہ اکثر تماشاؤں کے چہروں پر لہراتی جاتی تھی۔

”یو ہارڈ شپ....!“ حمید بولا۔ ”اگر یہ ادھر آگئی تو کیا ہوگا۔“

”تمہیں بخار کیوں چڑھ رہا ہے۔“

”مجھے آپ کی فکر ہے۔ میرا بخار تو اب کافی پرانا ہو چکا ہے۔“

”میری فکر نہ کرو۔ میں روزانہ ڈھائی سو ڈنڈ لگاتا ہوں اور پانچ سو بیٹیکس اور نہ میں ترکاری خور ہوں۔“

”ادھر ہی آرہی ہے۔“ حمید بے چینی سے پہلو بدلتا ہوا بولا۔

”اپنی ناک پر رومال رکھ لو....!“ فریدی نے کہا اور خود بھی جیب سے رومال نکال کر اس طرح ناک پر رکھ لیا کہ دہانہ بھی چھپ گیا۔

حمید کے لئے یہ مشورہ مضحکہ خیز ضرور تھا۔ لیکن فریدی کو اس حرکت کی بے ساختگی نے

اُسے بھی ناک پر رومال رکھنے پر مجبور کر دیا۔

گریٹا ان کے سروں پر بھی اپنا ریشمی رومال ہلاتی ہوئی گذر گئی۔

”کیا بد بودار تھی؟“ حمید نے منہ پر سے رومال ہٹا کر کہا۔

فریدی بے اختیار مسکرا پڑا مگر کچھ بولا نہیں۔

گریٹا دور نکل گئی تھی۔ فریدی نے اپنے منہ پر سے رومال ہٹایا اور کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔

اس کی آنکھیں اب بھی گریٹا کا تعاقب کر رہی تھیں۔

”آخر یہ ہے کیا معاملہ۔“ حمید نے پوچھا۔

”کیسا معاملہ....!“

”کیا گریٹا کے حسن نے آپ کو متاثر کیا ہے۔“

”اگر میں حسن کی حقیقت سے واقف نہ ہوتا تو شاید تم یہ کہہ سکتے تھے۔“

”حسن کی حقیقت.... میں نہیں سمجھا۔“

”کیا تم کسی ایسی عورت کو پسند کرو گے جس کی گردن ایک فٹ لمبی ہو۔“

”کیا آپ مجھے کسی اونٹنی سے عشق کرنے کا مشورہ دیں گے۔“

”بہر حال تم نہیں پسند کرو گے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”ایسی عورت تمہیں مضحکہ خیز

معلوم ہوگی۔ مگر ایک ایسا قبیلہ بھی ہے جس کے افراد کی نظر میں حسین ترین وہی ہے جس کی

سب سے زیادہ لمبی گردن ہو۔ وہ لوگ اپنی لڑکیوں کی گردنیں بڑھانے کی تدبیر ان کے بچپن ہی

کے زمانے سے شروع کر دیتے ہیں اور اس قبیلے میں ایک ایک فٹ لمبی گردنیں پائی جاتی ہیں۔ دنیا

میں ایک ایسی قوم بھی ہے جس کی نظروں میں حسن کا معیار حد سے زیادہ چھٹی ناک ہے؟ کیا تم کسی

ٹک چھٹی عورت کو پسند کرو گے۔“

”آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟“

”یہی کہ حسن کو اس ہے جس چیز کے معیار کا کوئی تعین ہی نہ ہو اس کا تذکرہ ہی میں فضول

سمجھتا ہوں۔“

”ہز ہارڈ شپ والٹی ریگستان کی رائے درست معلوم ہوتی ہے۔ مگر اس طرح تو زندگی

ممکن نہیں۔“

”تو کیا میں مر گیا ہوں۔“

”قطعاً! جس کا احساس حسن فنا ہو جائے اُسے میں مردہ ہی سمجھتا ہوں۔“ حمید بولا۔

”تب تم یقین جانو! میں مرا نہیں ہوں۔ مجھے اپنی آئیر ڈیل ٹیریز کتیا کے پلے بڑے حسین معلوم ہوتے ہیں۔“

حمید اس گفتگو سے اکتا کر پھر گریٹا کی طرف متوجہ ہو گیا جواب اسٹیج پر واپس چلی گئی تھی اور اسٹیج کے پردے کے دونوں ٹکڑے آہستہ آہستہ ایک دوسرے کی طرف کھسک رہے تھے۔

آخر کار آرکسٹر کی موسیقی بند ہو گئی اور ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔

”آپ نے بیکار باتوں میں الجھائے رکھا۔“ حمید نے دفعتاً فریدی سے کہا۔ ”ناک پر رومال رکھنے کا کیا مطلب تھا۔“

”حمید صاحب! یہ ایک لمبی داستان ہے۔ ابھی نہ پوچھے تو بہتر ہے۔“

”بہتر ہے جناب۔“ حمید نے تلخ لہجے میں کہا۔

”تم جانتے ہو کہ مجھے ہوٹلوں کی تفتیش اوقات سے کوئی دلچسپی نہیں۔“

”مجھے کچھ بھی جاننے کی ضرورت نہیں۔“

”کچھ بھی ہو.... میں تمہیں گریٹا سے دور ہی رہنے کا مشورہ دوں گا۔“

”کیا وہ سچ بہت بد بودار ہے۔“

”حمید صاحب! میں اس وقت سنجیدہ ہوں۔“ فریدی بولا۔

”آخر کیوں! آپ اس کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں۔“

”شائد میں کل تک اس مسئلے پر روشنی ڈالنے کے قابل ہو سکوں۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

”کون سا مسئلہ! کیا مسئلہ۔“

”کل بتاؤں گا.... آج کی رات میرے لئے فیصلہ کن ہوگی۔“

تھوڑی دیر بعد پھر موسیقی شروع ہو گئی۔ پردہ سر کا اور اس بار گریٹا کے جسم پر پہلے سے بھی کم کپڑے نظر آرہے تھے۔ رقص شروع ہو گیا۔ اس بار تو اس نے کوئی گیت ہی چھیڑا اور نہ اسٹیج سے نیچے اُتری۔ رقص حزنِیہ تھا اور اندازِ نیلے سے ملتا جلتا تھا۔ مگر اسے مکمل طور پر نیلے بھی نہیں کہا جاسکتا تھا کیونکہ وہ اسٹیج پر تباہ تھی اور اس کا لباس بھی نیلے کے لئے موزوں نہیں تھا۔ وہ کسی خاص

قسم کا اطالوی رقص بھی نہیں معلوم ہوتا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ گریٹا کی اپنی ہی کوئی جدت رہی ہو۔  
 حزنِ موسیقی کی وجہ سے ہال کی فضا کچھ بوجھل سی ہو گئی تھی۔ لوگ بے حس و حرکت بیٹھے تھے۔ کسی کے بھی ہونٹ ہلتے ہوئے نظر نہیں آ رہے تھے۔

اچانک ہال میں بیٹھا ہوا ایک آدمی کچھ ایسی بدحواسی کے عالم میں اپنی جگہ سے اٹھا کہ میز الٹ گئی۔ لوگ چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔ وہ بے تحاشہ دروازے کی طرف بھاگ رہا تھا۔  
 لوگوں نے بڑی حیرت سے اس کی یہ حرکت دیکھی لیکن اپنی جگہ سے ہلے بغیر پھر رقصہ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ البتہ ہوٹل کا عملہ ضرور بدحواس ہو گیا تھا۔

فریدی بڑی تیزی سے اپنی کرسی سے اٹھا اور حمید کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتا ہوا دروازے کی طرف چل پڑا۔

ہال سے اٹھ کر بھاگنے والا گرتا پڑتا گیراج کی طرف بھاگا جا رہا تھا۔ گیراج کے قریب پہنچ کر اس نے غالباً اپنے ڈرائیور کو آواز دی۔

پھر انہوں نے اسے ایک کار میں گھتے دیکھا۔ فریدی نے بھی گیراج سے اپنی کیڑی نکال لی اور پھر آگے جانے والی کار کا تعاقب شروع ہو گیا۔

سڑک سنسان پڑی تھی۔ نیا گرا ہوٹل دراصل شہر کے باہر ایک پر فضا مقام پر واقع تھا۔ اس لئے اس سڑک پر ٹریفک کی زیادتی نہیں ہوتی تھی۔ مگر یہ تعاقب حمید کی سمجھ میں نہ آیا کیونکہ دونوں کاروں کا فاصلہ دس گز سے کسی طرح بھی زیادہ نہ رہا ہوگا۔

اچانک انہوں نے ایک بھیانک چیخ سنی اور ساتھ ہی اگلی کار رک گئی۔ فریدی نے اگر پورے بریک نہ لگائے ہوئے تو کیڑی یقیناً اگلی کار سے ٹکرا جاتی۔

فریدی نیچے اتر کر اگلی کار کی طرف جھپٹا۔ اس کار کا ڈرائیور بھی بدحواس ہو کر اپنی سیٹ سے کود پڑا تھا۔ پھر حمید نے ڈرائیور کی چیخ سنی۔

”ارے.... یہ صاحب کو کیا ہو گیا۔“

## خوفناک وبا

حمید بھی کیڑی سے اتر۔ اتنی دیر میں فریدی اپنی جیب سے نارنج نکال چکا تھا۔

پھر حمید نے کار کی پچھلی سیٹ پر ایک لاش دیکھی۔ اس آدمی کی لاش جو ہال سے اٹھ کر بھاگا تھا۔ یہ متوسط عمر کا ایک وجہہ آدمی تھا۔ اس کی کشادہ پیشانی کہہ رہی تھی کہ مرنے والے نے زندگی میں خاص قسم کے کارنامے انجام دیئے ہوں گے۔

ڈرائیور.... قریب ہی کھڑا تھر تھر کانپ رہا تھا اور وہ جب بھی بولنے کی کوشش کرتا اس کی زبان لڑکھڑا جاتی اور حلق سے عجیب قسم کی آوازیں نکلنے لگتیں۔

فریدی نارچ کی روشنی میں خصوصیت سے مرنے والے کے ناخنوں کا جائزہ لے رہا تھا جو انگلیوں کا گوشت چھوڑ کر تقریباً چوتھائی انچ اوپر اٹھ گئے تھے۔ ہاتھوں اور پیروں کے سارے ناخنوں کی ٹھیک یہی حالت تھی۔

”اوہ.... یہ ناخنوں والی وبا۔“ حمید نے کہا اور اس طرح گہرا کر پیچھے ہٹ گیا جیسے اسے بھی اس وبا کا شکار ہو جانے کا احتمال ہو۔

”ناخن والی بیماری۔“ ڈرائیور خوفزدہ لہجے میں بولا۔

”ڈرو نہیں.... یہ چھوت کی بیماری نہیں۔“ فریدی نے کہا۔ ”چلو لاش سیدھی ہسپتال جائے گی۔“

”گھر.... دو.... والے۔“ ڈرائیور ہکھلایا۔

”فکر نہ کرو.... اس کا الزام تم پر نہ ہوگا۔ ہمارا تعلق پولیس سے ہے۔“

”مگر صاحب.... میرے بال بچے۔“ ڈرائیور گھگھایا۔

”ڈرو نہیں۔ یہ چھوت کی بیماری ہر گز نہیں ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”ہم بھی تمہارے ساتھ ہی چلیں گے۔“

ڈرائیور طوعاً و کرہاً اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ فریدی اور حمید بھی کینڈی میں آگئے۔ دونوں کاریں چل پڑیں۔

شہر میں آج یہ پانچواں کیس تھا۔ اس سے کچھ عرصہ پیشتر ایسی ہی چار موتیں اور بھی ہو چکی تھیں۔ اس وبا کا شکار ہونے والے پہلے اپنے ناخنوں کی جڑوں میں ہلکی سی سوزش محسوس کرتے تھے پھر یہ سوزش ایک بہت ہی تیز قسم کے درد میں تبدیل ہو جاتی تھی اور پھر جیسے ہی ناخن انگلیوں کا گوشت چھوڑنا شروع کرتے تھے مریض کی موت ہو جاتی تھی۔

اس نئی اور عجیب وبا کے سلسلے میں یہاں کی میڈیکل سوسائٹی نے تحقیقاتی کام شروع کر دیا تھا۔ لیکن اس کے ارکان ابھی تک کسی خاص نتیجے پر نہیں پہنچے تھے۔

نہ صرف شہر بلکہ پورے ملک میں اس وبا کی وجہ سے سنسنی پھیل گئی تھی۔ مگر یہ پانچ موتیں صرف اسی شہر میں ہوئی تھیں اس کے علاوہ اور کسی جگہ سے اس قسم کے کسی کیس کی اطلاع نہیں آئی تھی۔

حمید اس وقت اس طرح خاموش ہو گیا تھا جیسے اس نے موت کے فرشتے کی شکل دیکھ لی ہو۔  
 ”کیا آپ اسی لئے....!“ وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔ لیکن جملہ پورا کرنے سے قبل ہی اُسے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنا پڑی۔

”ہاں.... میرا آج رات کا تجربہ کامیاب رہا۔“

”آپ کا تجربہ....!“ حمید حیرت سے چیخا۔

”تم غلط سمجھے۔“ فریدی نے کہا۔ ”میں اس کی موت کا ذمہ دار نہیں۔“

”پھر تجربہ کیسا....؟“

”تمہیں پچھلی چاروں موتیں تو یاد ہی ہوں گی۔“

”ہاں.... لیکن....؟“

”سنئے جاؤ۔“ فریدی بولا۔ ”سب سے پہلا آدمی ایک ٹی پارٹی میں مرا تھا.... اور گریٹا سراسر انو

بھی وہاں موجود تھی۔“

”میرے خدا.... تو.... آپ....!“

”درمیان میں مت بولو۔ ہاں میں اسے کوئی وبا نہیں سمجھتا ہوں جو قدرتی حالات کے تحت

آئی ہو۔ دوسرا آدمی ایک مخصوص میننگ میں اس وبا کا شکار ہوا تھا.... اور یہ گریٹا وہاں موجود

تھی۔ تیسرے آدمی کی موت ایک کپکپ پارٹی میں ہوئی تھی۔ گریٹا وہاں بھی تھی۔ چوتھا آدمی

ہوٹل ڈی فرانس میں مرا تھا اور گریٹا ہی نے اسے اپنی کار میں ہسپتال تک پہنچایا تھا اور یہ پانچواں

آدمی.... تم نے خود دیکھا ہے۔“

”تو گریٹا ہی اس کی ذمہ دار ہے؟“

”میں نے یہ تو نہیں کہا۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ گریٹا مرنے والوں کے قریب کسی نہ کسی

صورت میں ضرور موجود رہی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ محض اتفاق ہی ہو۔“

”ابھی تک تو اس وبا کا سبب ہی نہیں معلوم ہو سکا۔“ حمید نے کہا۔

”ہو سکتا ہے کہ سبب جلد ہی معلوم ہو جائے۔ اس سے پہلے والی لاشیں تجربہ گاہ تک بہت دیر میں پہنچی تھیں اور اب میں اسے سیدھے وہیں لے جا رہا ہوں۔ بعض زہر ایسے بھی ہیں جو پوسٹ مارٹم میں دیر ہو جانے پر اپنا نشان نہیں ملنے دیتے۔“

”زہر....!“ حمید حیرت سے بولا۔

”ہاں ہو سکتا ہے کہ یہ کسی قسم کے زہر ہی کا اثر ہو۔“

”آپ نے وہاں ناک پر رومال کیوں رکھا تھا۔“

”محض یہ دیکھنے کے لئے کہ گریٹا پر اس کا کیا اثر ہوتا ہے۔“

”تو آپ نے کیا دیکھا۔“

”میں کچھ بھی نہیں دیکھ سکا۔ وہ مجھے رومال رکھے دیکھ کر بڑی تیزی سے دوسری طرف مڑ گئی تھی۔“

چند لمحے خاموشی رہی۔ پھر حمید نے پوچھا۔ ”کیا آپ اس مرنے والے سے واقف ہیں۔ صورت سے کوئی معزز ہی آدمی معلوم ہوتا ہے۔“

”معزز ترین کہو۔ ایک بہت بڑی ہستی ہمارے درمیان سے اٹھ گئی۔ یہ ملک کا ایک بہت بڑا سائنسدان ڈاکٹر شرف تھا۔ ایسی تحقیقات کبھی کا صدر۔“

”ارے.... یہ وہی ڈاکٹر شرف ہے۔“ حمید کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

”ہاں.... یہ وہی ہے.... اور ان چاروں کو بھی یاد کرو۔ ان میں سے ایک ماہر انجینئر تھا۔ جس نے حال ہی میں ایک ایسا پاور ہاؤز قائم کرنے کی اسکیم بنانے کا کام شروع کیا تھا جس سے ایک پورے صوبے کے لئے بجلی مہیا ہوتی۔ مرنے والوں میں ایک ماہر جنگ فوجی آفیسر تھا۔ تیسرا ملٹری سیکرٹ سروس کا ایک اعلیٰ ترین دماغ.... اور چوتھا.... جراثیم کا ماہر تھا۔“

”میں نے اس پر غور نہیں کیا تھا۔“ حمید آہستہ سے بولا۔

”محض اسی چیز نے میری رہنمائی کسی سازش کے امکانات کی طرف کی۔ اگر ان میں ایک

ایک آدھ عام آدمی بھی ہوتا تو شاید میں اتنی پرواہ نہ کرتا۔“

”تو آپ کئی دنوں سے اس چکر میں ہیں۔“

”میں نے اس دوران میں صرف گریٹا کے متعلق معلومات حاصل کی ہیں۔“

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اگلی کار سول ہسپتال کی کمپاؤنڈ میں داخل ہو گئی۔

سول ہسپتال کا انچارج خود بھی اس وبا سے متعلق تحقیقات کمیٹی کا ایک رکن تھا۔ اس نے

فوراً ہی لاش کو تجربہ گاہ میں پہنچوا کر کمیٹی کے دوسرے ارکان کو فون کرنا شروع کر دیا۔

فریدی وہاں نہیں ٹھہرا۔ وہ پھر نیا گرا ہوٹل میں واپس آ گئے۔ یہاں کے ماحول میں اب کافی

تبدیلی ہو گئی تھی۔ رقص کا پروگرام ختم ہو چکا تھا۔

حمید اور فریدی نمبر کے کمرے کی طرف چلے گئے۔ نمبر نے پُر تشویش انداز میں ان کا

استقبال کیا۔

”مجھے کچھ پوچھنا نہ چاہئے۔“ اس نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”کیا آپ لوگ ڈاکٹر شرف

کی نگرانی کر رہے تھے۔ لیکن ان کا اس طرح اٹھ کر بھاگنا میری سمجھ میں نہیں آیا۔“

فریدی چند لمحوں کے چہرے کا جائزہ لیتا رہا پھر بولا۔ ”ڈاکٹر شرف مر گئے۔“

”کیا....!“ نمبر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

فریدی نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”پہلے ان کے ناخنوں میں ہلکی سی سوزش

ہوئی پھر وہ تیز قسم کے درد کی شکل اختیار کر گئی....!“

”ناخنوں کی وبا....!“ نمبر کا نپتا ہوا بولا۔ ”یہاں.... میرے ہوٹل میں۔“

”میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ ان کی میز پر کیا کیا تھا۔“ فریدی نے کہا۔

”اوہ.... مجھے افسوس ہے۔ صفائی کے بعد سب کچھ پھکوا دیا گیا۔“

”لیکن اس میز کا ویٹر چیزوں کے متعلق تو بتا ہی سکے گا۔“

”ضرور.... ضرور....!“ نمبر نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی کا بٹن دباتے ہوئے کہا۔

”میں اسے بلوارہا ہوں۔“

ویٹر کے انتظار کے دوران میں فریدی نے گریٹا کی گفتگو چھیڑ دی۔

”وہ بہت اچھی رقصہ ہے۔“ اس نے کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ اس کے پروگرام یہاں عرصے

تک ہوتے رہیں گے۔“

”جی نہیں.... صرف تین پروگراموں کا کنٹریکٹ ہے۔ آج پہلا پروگرام تھا۔“  
 ”مگر میرا خیال ہے کہ وہ اب اتنی اچھی رقاہ بھی نہیں ہے کہ نیا گرا جیسی شاندار جگہ کے لئے موزوں ہو.... کیا کسی نے اس کی سفارش کی تھی۔“

”جی ہاں.... بس یہی سمجھ لیجئے۔“ فیجر بولا۔

”ڈاکٹر شرف بہت بڑا آدمی تھا۔“ فریدی نے موضوع گفتگو بدل دیا۔

”جی ہاں! مجھے بھی بے انتہا افسوس ہے۔ ہوٹل بھی شاندار بدنام ہو جائے ہوٹل ڈی فرانس کی مثال میرے سامنے ہے۔“

”غالباً ڈاکٹر شرف آپ کے مستقل گاہک تھے۔“

”جی ہاں؟ آج کے پروگرام میں ہم نے انہیں خاص طور سے مدعو کیا تھا۔“

”کیوں؟ کیا انہیں گریٹا سے کچھ دلچسپی تھی۔“

”پتہ نہیں۔“ فیجر بولا۔ ”بات یہ ہے کہ یہ ہمارا پرانا دستور ہے۔ ہم اس قسم کے خاص پروگراموں میں اپنے مستقل کرم فرماؤں کو خاص طور سے مدعو کرتے ہیں۔“

فریدی سگار سلگا کر کرسی کی پشت سے نک گیا۔

”گریٹا بہت حسین ہے۔“ اس نے مسکرا کر کہا۔

”جی ہاں.... اطالوی عورتیں عموماً بڑی پرکشش ہوتی ہیں۔“

”جس نے یہاں کے پروگراموں کے لئے اس کی سفارش کی ہوگی۔ بڑا خوش قسمت ہوگا۔“

”کیوں؟ میں نہیں سمجھا۔“ فیجر بولا۔

”ارے جناب.... یہ بھی کوئی نہ سمجھنے کی بات ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ گریٹا سے بہت قریب

ہوگا۔ مجھے تو اس کی قسمت پر رشک آتا ہے۔“

”اگر آپ سفارش کرنے والے سے واقف ہوتے تو ایسا نہ کہتے۔“ فیجر نے مسکرا کر کہا۔

”اوہ.... تو کیا وہ کوئی عورت ہے۔“

”جی نہیں ایک انتہائی خشک آدمی ہے۔ کیا آپ پروفیسر داخ سے واقف ہیں؟“

”اوہ.... وہ جرمن یہودی۔ ہاں میں اسے جانتا ہوں۔“

”گریٹا کی سفارش اسی نے کی ہے۔“

”مجھے سخت حیرت ہے۔“ فریدی نے کہا۔ پھر تھوڑی دیر رک کر بولا۔

”کیا آپ کے اس سے ذاتی مراسم ہیں۔“

”جی ہاں! مجھے دراصل عالموں سے عشق ہے۔ خصوصاً فلسفہ کے عالموں سے۔“

”بہت خوب! ہونا بھی چاہئے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”آپ خود بھی تو کافی پڑھے لکھے

آدمی ہیں۔“

”ارے کہاں صاحب! ابھی تو علم کے سمندر کا ایک قطرہ بھی میرے ہونٹوں تک نہیں پہنچا۔“

آپ خاکساری سے کام لے رہے ہیں۔“ فریدی مسکرایا۔ ”مگر آپ کو پروفیسر داخ کی

سفارش پر حیرت تو ضرور ہوئی ہوگی۔“

”کیوں نہیں.... لیکن میں نے ان سے پوچھ گچھ کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ گریٹایوں

بھی یہاں کافی مقبول ہو رہی ہے۔ ہو سکتا تھا کہ خود میں ہی اس سے کچھ دنوں بعد کنٹریکٹ

کر لیتا.... اوہ.... وہ تو سب ٹھیک ہے مگر ڈاکٹر شرف کی موت۔ کرٹل صاحب میں کیا

کروں؟.... مجھے کچھ مشورہ دیجئے۔ ہوٹل یقیناً بدنام ہو جائے گا۔ ہوٹل ڈی فرانس کا کیا حشر ہوا۔

آج کل وہاں اُلو بولتے ہیں۔“

”مجھے بھی افسوس ہے کہ یہ حادثہ نیا گرا میں ہوا۔“ فریدی بولا۔

”کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ نیا گرا کا نام ہی نہ لیا جائے۔“ فیجر نے کہا۔

”بھلا یہ کس طرح ممکن ہے۔“

”اگر آپ چاہیں تو سب کچھ ہو سکتا ہے۔ سوچئے تو سہی نیا گرا کا ریپوٹیشن خراب ہونے کا کیا

مطلب ہو سکتا ہے۔“

”میں جانتا ہوں کہ بہت بڑا خسارہ ہو گا مگر یہ بات کسی طرح چھپی نہ رہ سکے گی کہ ڈاکٹر

شرف بہت ہی غیر معمولی حالت میں اٹھ کر یہاں سے بھاگے تھے۔ آپ سمجھتے ہیں تا میرا

مطلب۔ اگر معاملہ صرف ان کے ڈرائیور تک محدود ہوتا تو اس کی زبان بند کر دی جاتی۔“

”تو پھر... تو پھر میں کیا کروں۔“ فیجر دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا کر گہری سانسیں لینے لگا۔

اتنے میں طلب کیا ہوا میٹر کمرے میں داخل ہوا۔

فریدی نے اس پر پونہی سرسری سی نظر ڈالی۔

”ڈاکٹر شرف کی میز پر تم تھے۔“ اس نے اس سے پوچھا۔

”جی ہاں۔“

”ان کی میز پر کیا کیا تھا۔“

”صرف وہسکی اور سوڈا۔“

”کچھ اور....!“

”جی نہیں.... صرف یہی۔“

”کھلی ہوئی بوتل سے لائے تھے۔“

”جی نہیں! وہ کبھی کھلی ہوئی بوتل سے نہیں لیتے.... ہمیشہ نئی بوتل خود ہی کھولتے ہیں۔“

”سوڈا تم نے کھولا تھا۔“

”جی نہیں..... اس میز پر سائفن تھا۔“

”ذرا ایک منٹ۔“ فیجر نے دخل دیتے ہوئے کہا۔ ”اس سلسلے میں یہ بات بتا دوں کہ

سائیفن صرف انہیں لوگوں کی میزوں پر رکھے جاتے ہیں جو پوری بوتل خریدتے ہیں۔“

”اوہ..... اچھا.....!“ فریدی سر ہلا کر بولا۔ پھر اس نے ویٹر سے کہا۔ ”کیا تم وہ سائیفن تلاش

کر سکو گے۔“

”حضور! وہ تو ٹوٹ گیا تھا۔ میز الٹ گئی تھی نا۔“ ویٹر نے کہا۔ ”میں نے ڈاکٹر صاحب کو اتنے

نشے میں کبھی نہیں دیکھا۔“

”سائیفن ٹوٹ گیا۔“ فریدی نے جواب طلب نظروں سے فیجر کی طرف دیکھا۔

”اوہ جی ہاں.... ہمارے سائیفن زیادہ دبیز شیشوں کے نہیں ہیں۔“

”بوتل اور گلاس بھی ٹوٹ گئے ہوں گے۔“

”جی ہاں....!“ ویٹر نے کہا۔

”اچھا تم جاسکتے ہو۔“

ویٹر چلا گیا۔ اچانک فیجر کے چہرے پر زردی چھا گئی۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا.... اور نظریں

فریدی کی طرف نہیں تھیں۔ فریدی اس کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔

اچانک فیجر اس کی طرف مڑا اور اس سے نظر ملتے ہی جھجک سا پڑا۔ فریدی کی عتابی آنکھیں

اس کے ذہن میں چہرہ رہی تھیں۔

”آپ سائین کے بارے میں کیوں پوچھ رہے ہیں۔“ اس نے انک انک کر کہا۔

”ہو سکتا ہے کہ اس وبا کے جراثیم سوڈے ہی میں رہے ہوں۔“

”سوڈے میں جراثیم....!“ منیجر نے حیرت سے کہا۔

”ہاں.... آں.... آپ کو حیرت کیوں ہے۔“

”سوڈا تو بڑی تیز چیز ہے۔“

”اوہ.... آپ شاید جراثیم کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔ بہتر ہے جراثیم ایسے ہیں جو آگ

کے علاوہ اور کسی چیز میں فنا نہیں ہوتے۔“ فریدی نے کہا اور پھر حمید کے شانے پر ہاتھ رکھتا ہوا

بولا۔ ”آؤ چلیں۔“

اچانک ایک آدمی دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا اور حمید نے محسوس کیا جیسے فریدی نے

اٹھنے کا ارادہ ترک کر دیا ہو۔

## پروفیسر داخ

حمید نے آنے والے کو گھور کر دیکھا۔ یہ ایک مجہول سا غیر ملکی تھا۔ گال پیچکے ہوئے۔ ناک تیلی اور طوطے کی چونچ کی طرح ہونٹوں پر جھکی ہوئی تھی۔ گالوں کی ہڈیاں بدنمائی کی حد تک ابھری ہوئی تھیں۔ چھوٹی چھوٹی اور چمکدار آنکھوں کے گرد گہرے حلقے تھے۔ اس کا لباس ایک بہت پرانے سوٹ پر مشتمل تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس پر مہینوں سے پریس نہ کیا گیا ہو۔ گلے میں نمائی نہیں تھی۔

منیجر اسے دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔ فریدی اور حمید بدستور بیٹھے رہے۔

”میری کتابیں....!“ آنے والے نے انگریزی میں کہا۔ اس کا لہجہ بہت کھر درا تھا۔

”معاف کیجئے گا مسٹر داخ.... میں سمجھتا ہوں....!“

”مجہول گئے تھے۔“ اس نے جملہ پورا کرتے ہوئے کہا۔ ”غیر ضروری الفاظ بول کر وقت نہ

ضائع کیا کرو۔ کتابیں۔“

”اوہ.... ہی ہی ہی۔“ منیجر نے ہنستے ہوئے اپنی پشت پر رکھی ہوئی الماری کھول کر تین کتابیں نکالیں اور انہیں آنے والے کی طرف بڑھا دیا۔

اس نے کتابیں لیں اور تیزی سے دروازے کی طرف گھوم گیا۔  
 منیجر کرسی پر بیٹھ کر جھینپی ہوئی ہنسی ہنسنے لگا۔ ”دیکھا آپ نے کرئل صاحب! فلسفی لوگ گفتگو بھی اختصار کے ساتھ کرتے ہیں۔“

”غالباً یہ پروفیسر داخ تھا۔“ فریدی نے کہا۔

”جی ہاں! وہی تھے۔“

”خوب....!“ فریدی مسکراتا ہوا اٹھ گیا۔ ”اچھا منیجر اس تکلیف کا بہت بہت شکریہ۔“

وہ دونوں منیجر کے کمرے سے نکل کر ڈائیننگ ہال سے گذرتے ہوئے باہر آ گئے۔

”حضور! میں تو سردی سے اکڑ کر مر رہی جاؤں گا۔“ حمید بدایا۔

”میرا الشرکیڈی میں ہے پہن لو۔“ فریدی نے کہا۔ پھر کچھ دیر رک کر بولا۔ ”تم نے داخ

کو دیکھا۔“

”دیکھا تو.... لیکن وہ مجھے صاف نظر نہیں آیا۔“

”کیا اس قسم کے آدمی عورتوں میں دلچسپی لے سکتے ہیں۔“

”آپ کے علاوہ اور ہر قسم کا آدمی عورتوں میں دلچسپی لے سکتا ہے۔ لیکن اب یہاں

سے بھاگئے ورنہ اگر ہمارے ناخن بھی کھڑے ہو گئے تو شہر کے بہترے گنجے بے موت

مر جائیں گے۔“

وہ کیڈی میں بیٹھنے ہی والے تھے کہ کسی نے فریدی کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا.... فریدی

چونک کر مڑا۔ پروفیسر داخ اس کے سامنے کھڑا عجیب انداز میں مسکرا رہا تھا۔

”آپ شاید میرے متعلق کچھ گفتگو کر رہے تھے۔“ اس نے کہا۔

حمید متحیرانہ انداز میں اسے گھورنے لگا۔

”ہاں.... پروفیسر.... میں تمہاری قسمت پر رشک کر رہا تھا۔“ فریدی جواباً مسکرایا۔

”کیوں....؟“

”گرنا جیسی حسین عورت تمہاری دوست ہے۔“

”کون گریٹا.... میں کسی گریٹا کو نہیں جانتا۔“

”گریٹا سیرانو.... جس کا آج یہاں پروگرام تھا۔“ فریدی نے کہا۔

”اوہ.... وہ.... لیکن وہ میری دوست تو نہیں۔“

”تب پھر ہمیں غلط فہمی ہوئی ہوگی۔ ہو سکتا ہے کہ ٹیجر نے کسی اور کا نام لیا ہو۔“

”سنو....!“ داخ جھنجھلا کر بولا۔ ”مجھے تم سب سے نفرت ہے۔ تم جو اپنی کھوپڑیوں میں

چوہوں کے سے دماغ رکھتے ہو! مجھے نہیں سمجھ سکتے۔“

”تمہاری یہ بات بھی میری سمجھ میں نہیں آئی۔“

”تم لوگ مجھ پر آوازے کتے ہو۔ لیکن میں تمہیں اپنے پیروں کی خاک کے برابر بھی نہیں

سمجھتا.... سمجھ۔“

”بکواس بند کرو۔ کچھوے کے بچے۔“ حمید نے اس کے گریبان کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا

کہ فریدی نے اسے دھکادے کر پیچھے ہٹا دیا۔ پھر داخ سے لجاجت آمیز لہجے میں بولا۔ ”تم ٹھیک

کہتے ہو پروفیسر! اچھا شب بخیر۔“

اس نے کیڈی کا دروازہ کھول کر حمید کو پچھلی سیٹ پر دھکادے دیا اور خود آگے بیٹھ گیا۔

”کیا شہر کی طرف جاؤ گے۔“ دفعتاً داخ نے بدلے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

”ہاں....!“

”تو مجھے راجرس اسٹریٹ تک لے چلو۔“

”ضرور.... ضرور.... ادھر حیرے پاس آ جاؤ۔“ فریدی نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

داخ بیٹھ گیا۔ کیڈی چل پڑی۔ داخ تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”جانتے ہو میں کیوں تمہارے

ساتھ جا رہا ہوں۔“

”تم شاید ہم لوگوں کو پسند کرنے لگے ہو۔“ فریدی نے ہنس کر کہا۔

”تمہیں اوز میں پسند کروں گا۔“ داخ تنفر آمیز لہجے میں بولا۔ ”مجھے دراصل تمہارے

ساتھی کی بات کا جواب دینا ہے جس نے مجھے کچھوے کا بچہ کہا تھا۔“

”ضرور جواب دو.... وہ بڑا بد تمیز ہے۔“ فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

”جواب یہ ہے کہ وہ کچھوے کا بچہ ہے۔“

”کیا کہا ہے۔“ حمید اردو میں دھاڑا۔

”ٹھیک کہتا ہے۔“ داخ نے بگڑی ہوئی اردو میں کہا۔ ”تم ار تھ ورم کا بچہ ہے۔“

”حمید بکو اس بند رکھو۔“ فریدی نے اسے ڈانٹا۔

داخ پھر فریدی سے انگریزی میں گفتگو کرنے لگا۔ ”حالانکہ اس بد تمیز نے میری توہین کرنے کے خیال سے مجھے کچھوے کا بچہ کہا تھا لیکن وہ بالکل احمق ہے۔ تم کچھوے کے بچے کی پیٹھ پر پوری قوت سے کھڑے ہو جاؤ اس کا بال بھی بیکا نہ ہوگا۔ لیکن کچھوے کا بچہ چٹکیوں میں مسلا جاسکتا ہے۔ بس اب گاڑی روک دو۔“

”کیوں....؟“

”میں اتروں گا۔ مجھے اتنا ہی کہنا تھا۔“

”یہاں اس ویرانے میں اتر کر کیا کرو گے۔“ فریدی نے کہا۔

”کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں تم جیسے گدھوں کا احسان لوں گا۔“ داخ بگڑ گیا۔

فریدی نے ہنس کر کیڈی روک دی۔ داخ اتر کر سڑک کے کنارے کنارے چلنے لگا۔ اس کا رخ بھی شہر ہی کی طرف تھا۔

”استاد....!“ حمید بولا۔ ”آپ پیچھے آجائیے۔ گاڑی میں چلاؤں گا۔“

”کیوں.... نہیں وقت نہ برباد کرو۔“ فریدی جھنجھلا گیا۔

”کبھی تو میری کوئی بات مان لیا کیجئے۔“

نہ جانے کیوں فریدی اس پر راضی ہو گیا۔ وہ پچھلی سیٹ پر آگیا اور حمید نے اسٹیئرنگ سنبھال لیا۔

اب کیڈی پیدل چلتے ہوئے پروفیسر داخ کے ساتھ آہستہ آہستہ ریگ رہی تھی۔

”یہ کیا یہودگی ہے۔“ داخ بھنا کر چیخا۔ ”آگے بڑھاؤ۔“

”نہیں بڑھاتا۔“ حمید نے کھڑکی سے سر نکال کر کہا۔ ”تم خود آگے بڑھ جاؤ۔“

داخ بوڑھاتا ہوا چلتا رہا۔ کیڈی بھی اسی کے برابر ریگتی رہی۔ فریدی خلاف توقع کچھ نہیں بولا۔ اس کی اس خاموشی پر حمید کو بھی حیرت ہو رہی تھی۔

اچانک داخ نے دوڑنا شروع کر دیا۔ حمید نے بھی رفتار اتنی بڑھادی کہ کیڈی اس کے ساتھ

ہی ساتھ رہے۔ داخ انہیں گندی گندی گالیاں دیتا ہوا بھاگ رہا تھا۔

”حمید کیوں وقت برباد کر رہے ہو۔“ فریدی بڑبڑایا۔

”میں اس فلسفی کے پٹھے کو زمان و مکان کا فرق سمجھا رہا ہوں۔“

ایک جگہ داخ دھاڑتا ہوا رک گیا۔ کیڈی آگے نکل گئی۔ حمید نے اسے روک کر بیک کرتا

شروع کر دیا اور کیڈی پھر اسی جگہ واپس آگئی جہاں داخ کھڑا گالیاں بک رہا تھا۔

اچانک وہ پیچھے کی طرف بھاگا اور پھر حمید کیڈی کو بیک کرنے ہی جا رہا تھا کہ اس پر پتھر

برسنے لگے۔

”کیا کر رہے ہو تم....!“ فریدی نے حمید کو ڈانٹا۔ ”گاڑی برباد کر او گے کیا!“

دوسرے ہی لمحے میں کیڈی کافی تیز رفتاری سے چل پڑی۔

”اگر گاڑی خراب ہوئی ہوگی تو میں تم سے سمجھ لوں گا۔“ فریدی نے حمید سے کہا۔

”آخر یہ ہے کس قسم کا آدمی۔“ حمید بولا۔

”کیا اُس کی قسم اب بھی تمہاری سمجھ میں نہیں آئی۔“

”نہیں.... میں نہیں سمجھ سکا۔“

”حد سے بڑھی ہوئی عقل آدمی کو بچہ بنا دیتی ہے۔“

”تو کیا واقعی وہ فلسفی ہے۔“

”بہت پڑھا آدمی ہے حمید صاحب۔ اسکی ذہانت سے نکرانے والے شاید دو چار ہی نکلیں۔“

”داخ.... عجیب نام ہے۔“ حمید بولا۔ ”کیا وہ فوئیر باخ کی اولاد ہے۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ اس خبطی نے گریٹا کی سفارش کی تھی۔ یہ

بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔

”میں آپ سے سچ عرض کرتا ہوں۔“ حمید بولا۔ ”جو ذرا سا بھی مرد ہے وہ عورتوں میں

ضرور دلچسپی لے گا۔“

”ٹھیک کہتے ہو۔“ فریدی بڑبڑا کر خاموش ہو گیا۔

”آپ سائینس کی تلاش میں کیوں تھے۔“ حمید نے پوچھا۔

”میرا خیال ہے کہ جو کچھ بھی تھا سوڈے ہی میں تھا۔ بوتل تو اُس نے خود کھولی تھی۔“

”اس سلسلے میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ وقت نہ برباد کیجئے۔ مجھے یہ کسی قسم کی وبا ہی معلوم ہوتی ہے۔ آپ کا شکلی ذہن تو اب آپ کے لئے بھی وبال بن گیا ہے۔“  
 ”ہوں! مشورے کا شکریہ۔“

فریدی پھر خاموش ہو گیا۔ کیڈی چلتی رہی۔ حمید جلد سے جلد گھر پہنچنا چاہتا تھا۔ لیکن فریدی نے اسے ہوٹل ڈی فرانس چلنے کو کہا۔

”کمال ہے۔“ حمید بھنا کر بولا۔ ”سردی کے مارے دم نکلا جا رہا ہے۔“

”میں نے تو تم سے کہا تھا کہ میرا الشر پہن لو۔“

”کیا الشر سے بھوک بھی مٹ جائے گی۔“

”وہیں کھالینا۔“

”کیا ہوٹل ڈی فرانس میں۔“ حمید نے حیرت سے کہا۔

”ہاں.... کیوں؟“

”حالانکہ میں ان پر سرخ پالش نہیں لگاتا پھر بھی مجھے اپنے ناخنوں سے بڑی محبت ہے۔“

”کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ وہاں کھانے سے تم اس دبا کا شکار ہو جاؤ گے۔“

”دیکھئے۔ میں اس سلسلے میں کوئی دلیل نہیں سنوں گا۔ آپ کے منطقی دلائل موت کے

فرشتے کو مطمئن نہیں کر سکیں گے۔“

”بڑے ڈرپوک ہو رہے ہو آج کل۔“

”کچھ بھی کہئے۔ لیکن میں طاعون کے چوہوں کی طرح مرنا پسند نہیں کروں گا۔“

”اچھا خیر پھر سہی۔“ فریدی نے کہا۔ ”چلو گھر ہی چلو۔“

”لیکن ہوٹل ڈی فرانس کی کیا تک ہے۔“

”میں ایک تجربہ اور کرنا چاہتا ہوں مگر ہوٹل ڈی فرانس اس کے لئے فضول ہی ثابت ہوگا

کیونکہ وہاں پہلے ہی اس قسم کا ایک واقعہ ہو چکا ہے۔“

”ایک تجربہ اور کیجئے گا.... یعنی ایک آدمی کی زندگی....!“

”نہیں شاید اس کی نوبت ہی نہ آنے پائے۔“

کیڈی کو کھٹی کی کپاؤنڈ میں داخل ہو رہی تھی۔ حمید نے اسے گیراج کے سامنے روک دیا۔

لیکن ایک خیر توں سے لبریز لمحہ ان کا منتظر تھا۔ جیسے ہی وہ نیچے اترے انہیں اپنے سامنے پروفیسر داخ کھڑا ہوا نظر آیا۔۔۔ حمید اپنی بیساختہ قسم کی ”ارے“ کو کسی طرح نہ روک سکا۔ فریدی نے کار کے پچھلے حصے پر نظر ڈالی۔ اسٹپنی کھلی ہوئی تھی۔ غالباً پروفیسر اسی میں بیٹھ کر یہاں تک آیا تھا۔

پروفیسر داخ نے انہیں متحیر دیکھ کر ایک ہندیانی سا قہقہہ لگایا اور پھر سنجیدہ ہو کر انہیں باری باری سے گھورنے لگا۔

”تم نے مجھے پریشان کیا تھا۔ اب تمہیں قبر میں بھی چین نہ لینے دوں گا۔۔۔ سمجھ۔“ اس نے کہا۔ ”چلو اب کہاں چلتے ہو۔“

”آؤ پروفیسر۔۔۔!“ فریدی آگے بڑھتا ہوا بولا۔ ”مجھے خوشی ہوگی۔“

”جاتے ہو یا تمہیں اٹھا کر کمپاؤنڈ کے باہر پھینک دوں۔“ حمید نے آنکھیں نکال کر کہا۔ ”خاموش رہو۔“ فریدی سچ مچ حمید پر بگڑا اٹھا۔

وہ پروفیسر داخ کا ہاتھ پکڑ کر اسے ڈرائنگ روم میں لایا۔ حمید کو فریدی کا تلخ لہجہ بہت گراں گذرا تھا اس لئے وہاں ٹھہرنے کی بجائے سیدھا باورچی خانے میں جا گھسا۔

یہاں فریدی پروفیسر داخ سے کہہ رہا تھا۔ ”پروفیسر میرا سہا تھی کریک ہے اس کی باتوں کا خیال نہ کرو۔“

”تم گھنٹیا آدمیوں نے میری زندگی تلخ کر دی ہے۔“ پروفیسر بولا۔ ”تمہارے سڑے سڑے بچے میرے پیچھے تالیاں بجاتے ہیں۔“

”مجھے افسوس ہے۔“

”اور اب تم بھی مجھے بدنام کرو گے۔ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ میں نے گریٹا کے لئے سفارش کی تھی۔“

”مجھے نیا گرا کے فیجر سے معلوم ہوا تھا۔ لیکن تمہیں یہ کیسے خیال ہوا کہ میں تمہیں بدنام کروں گا۔“

”آج کل میرے خلاف گہری سازشیں ہو رہی ہیں۔ چند اوباش قسم کے لوگوں نے مجھے میری نوکرائی کے ساتھ بدنام کرنے کی کوشش کی ہے۔ حالانکہ یہ بکواس ہے۔ میں اپنی زندگی

کے اس اسٹیج سے کبھی کا گذر چکا ہوں اور جوانی کے زمانے میں بھی میں بہت زیادہ محتاط رہا ہوں۔“

”مگر گریٹا تو بہت خوبصورت ہے پروفیسر۔“

”ہوگی! مجھے آج تک اس سے گفتگو کرنے کا بھی اتفاق نہیں ہوا۔“

”پھر تم نے اس کی سفارش کیوں کی۔“

”مجھے یاد نہیں کہ کس نے مجھ سے درخواست کی تھی۔ بہر حال وہ خود گریٹا نہیں تھی۔ کسی

دوسرے نے مجھ سے کہا تھا کہ میں نیا گرا کے لئے سفارش کروں۔“

”تجربہ ہے کہ تم اس آدمی کو بھول گئے لیکن گریٹا کی سفارش یاد رہی۔“ فریدی نے کہا۔

”یہ ایک بالکل نفسیاتی امر ہے۔ تمہیں ہزاروں چیزوں میں سے صرف وہی چیزیں یاد رہ جاتی

ہیں جن کا کسی نہ کسی طرح تمہاری ذات سے تعلق ہو۔ تمہیں ایک بات یاد آتی ہے لیکن یہ نہیں

یاد آتا کہ وہ بات کس نے کہی تھی۔ بات اس لئے یاد آتی ہے کہ اس کا تعلق تھوڑا بہت تمہاری

ذات سے بھی ہے۔ یعنی وہ بات اس بات کے کہنے والے سے بھی زیادہ اہم ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ

غیر اہم چیزوں کو یادداشت پرے جھٹک دیتی ہے۔“

”خوب.... تو گریٹا بہر حال تمہارے لئے اہمیت رکھتی ہے۔“ فریدی بولا۔

”یقیناً.... وہ بہت حسین ہے۔“

”ابھی تو تم کہہ رہے تھے کہ تم زندگی کے اس اسٹیج سے گذر چکے ہو۔“

”تم زیادہ پڑھے لکھے نہیں معلوم ہوتے۔“ پروفیسر بولا۔

”ہاں میں نرا گاؤ دی ہوں۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔

”اچھا اسے یوں سمجھو کہ تمہارے ہاتھ مفلوج ہو جائیں تو کیا ان ہاتھوں کو استعمال کرنے کی

خواہش بھی فنا ہو جائے گی۔“

”نہیں....!“

”تو پھر اسی طرح سمجھ لو۔“

”پروفیسر! میں بالکل سمجھ گیا۔ اگر تم اس آدمی کو یاد کرنے کی کوشش کرو تو تمہارا ممنون

ہوں گا۔“

”کیوں؟“

”میں اس کے ذریعہ گریٹا تک پہنچنا چاہتا ہوں۔ وہ یقیناً اس کا کوئی بڑا خاص آدمی ہو گا۔ آہ پروفیسر کیا بتاؤں۔ میں نے جب سے گریٹا کو دیکھا ہے میری راتوں کی نیند حرام ہو گئی ہے۔“

”تو دن میں سو لیا کرو۔“ پروفیسر نے قہقہہ لگایا۔

”میرا مذاق نہ اڑاؤ..... پروفیسر..... شاید میں پاگل ہو چلا ہوں۔“

”ہا ہا..... جوان ہونا۔“ پروفیسر اس کے چہرے کے قریب انگلی نچا کر بولا۔ ”تم کافی دولت مند معلوم ہوتے ہو۔ ڈورے ڈالونا اُس پر۔“

”وہ کسی کو لفٹ نہیں دیتی۔“

پروفیسر چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر اٹھتا ہوا بولا۔ ”اچھا میں کوئی راہ نکالوں گا۔ پھر وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔“

## ڈاکٹر زیٹو کے کرتب

ڈاکٹر شرف والے حادثے کو تین دن گذر چکے تھے۔ اس کی لاش کے پوسٹ مارٹم کے بھی وہی نتائج نکلے جو اس سے قبل والی لاشوں کے نکل چکے تھے۔ کوئی نئی بات معلوم نہ ہو سکی۔ اندرونی اعضاء میں موت سے پہلے کے ہیجان کے اثرات ضرور پائے گئے تھے لیکن یہ نہ معلوم ہو سکا کہ اس ہیجان کا سبب کیا تھا۔ ڈاکٹر شرف نے مرنے سے پہلے شراب پی تھی۔ اس کی اچھی خاصی مقدار مرنے والے کے معدے میں پائی گئی تھی لیکن اس کا تجربہ کرنے پر بھی کوئی ایسی چیز نہ ملی جو اس وبا کے اسباب پر روشنی ڈالتی.... فریدی اس دوران میں بہت زیادہ مشغول رہا۔ گریٹا نے اپنے پروگرام کے بقیہ دنوں میں بھی اپنے کمالات کا مظاہرہ کیا لیکن پھر نیا گرامیں کوئی حادثہ نہیں ہوا۔ البتہ یہ ضرور ہوا کہ پہلے حادثے کی بناء پر وہاں کی زیادہ تر میزیں خالی ہی نظر آنے لگیں۔ فریدی نے ابھی تک حمید کے علاوہ اور کسی پر یہ بات ظاہر نہیں کی تھی کہ وہ اس وبا کو کسی دوسری شکل میں دیکھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ صرف نیا گرام کے منیجر کو اس کی پوچھ گچھ کی بناء پر کچھ شبہ ضرور ہو گیا تھا لیکن بعد میں فریدی نے اس کی بھی تشفی کر دی۔

حالانکہ ڈاکٹر شرف کی موت کے بعد سے شہر میں اس قسم کی کوئی دوسری موت نہیں ہوئی

تھی پھر بھی لوگوں میں کافی ہراس پایا جاتا تھا۔

اور حمید کی یہ رائے بھی کہ اب سچ سچ فریدی کا دماغ چل گیا ہے۔ وہ ہر چیز کو خواہ مخواہ سراغ رسانی کی عینک سے دیکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ حمید نے اس درمیان میں گریٹا سے تعارف حاصل کرنے کے لئے کافی جدوجہد کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ گریٹا نجی طور پر کسی سے بھی نہیں ملتی تھی۔ شہر کے بیشتر دولت مند حسن پرست اس تک پہنچنے کے لئے کوشاں تھے۔ لیکن انہیں ابھی تک رسانی کی کوئی صورت نظر نہیں آئی تھی۔ البتہ صرف اخبارات کے رپورٹری ایسے تھے جن سے وہ تھوڑی بہت گفتگو کر لیتی تھی۔

آخر جب حمید نے کوئی دوسری صورت نہ دیکھی تو اس نے یہی مناسب سمجھا کہ تھوڑی دیر کے لئے کسی اخبار کارپورٹر ہی بن جائے۔ مگر اس کی غرض و غایت ہرگز وہ نہیں تھی جس کے لئے فریدی سر مار رہا تھا۔

وہ کرائم رپورٹر انور کا ملاقاتی کارڈ لے کر اسپرنگ کالج پہنچ گیا جہاں گریٹا مقیم تھی۔

گریٹا اس سے ملی تو.... لیکن اس نے پہلے ہی یہ بات جتادی کہ وہ اسے دس منٹ سے زیادہ وقت نہ دے سکے گی۔

”آپ کے اٹلی کے متعلق کیا خیالات ہیں۔“ حمید نے پوچھا۔

”اوہ.... کیا آپ کو یہ نہیں معلوم کہ میں اٹلی ہی کی باشندہ ہوں۔“

”اچھا....!“ حمید نے حیرت کا اظہار کیا۔ ”آپ کارنگ تو انگریزوں سے بھی زیادہ صاف ہے۔“

گریٹا کچھ نہ بولی۔ ظاہر ہے کہ وہ رسمی قسم کے انٹرویو کے لئے بیٹھی تھی۔

”اٹلی تو آپ کو بہت اچھا لگتا ہو گا۔“

”میرا خیال ہے کہ پہلے آپ انٹرویو لینے کی ٹریننگ لیجئے۔ پھر آئیے گا۔“ گریٹا نے بیزاری سے کہا۔

”اوہ کیا میرا سوال احمقانہ ہے۔“ حمید نے دردناک لہجے میں کہا۔ ”بات دراصل یہ ہے کہ

میں اس پیشے میں بالکل نیا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ مجھے اپنے پچھلے ہی پیشے کی طرف اوٹا پڑے گا۔“

اچانک گریٹا ایک ہلکی سی چیخ کے ساتھ ایک طرف سمٹ گئی۔ ات حمید کے کوٹ کی نچلی

جیب سے ایک سفید سی چیز پھدک کر چھوٹی میز کی طرف آتی دکھائی دی۔

حمید کی پالتو چوبیا کے گھونگر و میز پر بچ اٹھے۔

”اوہ.... میں تو ڈر گئی تھی۔“ گریٹا ہنس کر بولی۔ ”آپ چوہے پالتے ہیں۔“

”یہ میری کتیا ہے۔“ حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ”میرے سابقہ پیشے کی یادگار۔“

”پیشہ.... میں نہیں سمجھی۔“

”دیکھئے میں بتاتا ہوں....“ حمید نے کہا اور میز پر دونوں ہاتھ ٹیک کر آگے جھکتے ہوئے

سیٹی میں اپنی مخصوص دھن شروع کر دی۔ چوبیا پچھلے پیروں پر کھڑی ہو کر تھرکنے لگی۔

گریٹا بچوں کی طرح تالی بجا کر ہنس پڑی۔

”واقعی آپ جادو گر معلوم ہوتے ہیں۔ میں نے آج تک چوہوں کی ٹریننگ کے متعلق

نہیں سنا تھا۔“

”میرے پاس ایسے جانوروں کا اسٹاک ہے۔ یہ تو چوبیا ہے میں نے سانپ بھی سدھا

رکھے ہیں۔“

”سانپ....!“ گریٹا نے حیرت سے دہرایا۔

”ہاں ہاں! میرے پاس ڈھائی تین سو سانپ ہیں۔“

”نہیں جھوٹ۔“

”اچھا تو کل میں آپ کو دکھا دوں گا۔“

”ضرور ضرور....!“ گریٹا باتوں میں دلچسپی لینے لگی تھی۔ ”مگر کیا وہ سانپ.... آپ نے تو

نہ پکڑے ہوں گے۔“

”پھر کون پکڑے گا۔“ حمید بولا۔ ”سانپ پکڑنا بھی ایک بہت بڑا فن ہے اور اس شہر میں

میرے علاوہ اور کوئی اس فن کا ماہر نہیں۔“

”تو تم سپیرے ہو۔ میں نے یہاں کے سپیروں کے متعلق کتابوں میں پڑھا تھا۔“

”مجھے افسوس ہے کہ آپ نے ڈاکٹر زیٹو کا نام کبھی نہیں سنا۔ مجھے نبرا کا یونیورسٹی سے

سانپوں کی تحقیق کے سلسلے میں ڈاکٹر ایٹ ملی تھی۔“

”اچھا.... کس طرح پکڑتے ہیں سانپ....!“ گریٹا نے پوچھا۔

”اس طرح بتانا تو مشکل ہے جب کہ یہاں کوئی سانپ موجود نہیں۔“ حمید نے تشویش

آمیز لہجے میں کہا۔ پھر مسکرا کر بولا۔ ”ٹھہریے.... میں کوشش کرتا ہوں.... فرض کیجئے آپ سانپ ہیں.... ذرا سیدھی ہو کر بیٹھ جائیے.... ہاں۔“

حمید درمیان سے میز ہٹا کر ریٹا کے صوفے کے قریب فرش پر ایک گھٹنا ٹیک کر بیٹھ گیا۔

”ہش ہش....!“ اس نے کہا۔ ”میں نے اس طرح آپ کو آپ کی بانی سے نکالا۔ آپ

پھن کاڑھے بیٹھی ہیں۔ میں نے آپ کو دوبارہ ہشکار دیا۔“

حمید نے ”ہشکارنے“ کے سلسلے میں اس کی ٹھوڑی میں ہاتھ لگاتے ہوئے کبواس جاری

رکھی۔ ”اب آپ میرے ہاتھ پر منہ مارنے کی کوشش کیجئے۔ نہیں یوں نہیں اس طرح۔“

اس نے اس کا ہاتھ لے کر اپنے ہونٹوں سے لگالیا۔

”سانپ نے منہ مارا۔ میں نے وار خالی دے کر سناڈ پر ہاتھ رسید کر دیا۔“

اس بار اس نے ریٹا کے دانے گال پر ہلکی سی تھپکی دی۔

”اور پھر جیسے ہی وہ ایک طرف جھکا.... میں نے اس کا سر دیوچ لیا۔“

اس بار ریٹا بڑی پھرتی سے ایک طرف کھسک گئی اور حمید کے ہاتھ پھیلے ہی رہ گئے۔ لیکن وہ

فوراً سیدھا کھڑا ہو کر ہاتھ ملتا ہوا بولا۔ ”تو یہ طریقہ ہے سانپ پکڑنے کا۔“

”تم بڑے شیطان معلوم ہوتے ہو۔“ ریٹا مسکرا کر بولی۔

”نہیں چھوٹا شیطان.... بڑا شیطان تو ان معاملات میں بالکل بدھو ہے۔“

”میں نہیں سمجھی۔“

”اوہ.... یہ ہم سانپ پکڑنے والوں کا ایک مخصوص جملہ ہے۔ اگر اس وقت تم مجھے شیطان

کی بجائے کریم رول کہتیں تب بھی میں یہی جملہ دہراتا۔“

”اوہ....“ ریٹا نے کلائی کی گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”میں منٹ ہو گئے۔“

”اُف.... فوہ....!“ حمید بوکھلا کر بولا۔ ”انٹرویو تو رہ ہی گیا۔“

”نہیں بس! اب کل.... اس وقت مجھے ذرا کام ہے۔“

”کل کس وقت۔“

”اسی وقت.... تم ایک دلچسپ دوست ثابت ہو سکتے ہو۔“

”اوہ.... شکریہ شکریہ۔ کتنے سانپ لاؤں۔“

”سانپ....!“ وہ مسکرا کر بولی۔ ”اب زیادہ بیوقوف نہ بناؤ۔“

”ارے تو کیا واقعی تم مذاق سمجھی ہو۔ اچھا کل دیکھ لینا۔“ اس نے کہا۔ پھر میز پر سے چوبیا کو اٹھاتا ہوا بولا۔ ”ڈاکٹر زیٹو ایک معزز شہری ہے۔“

”اچھا ڈاکٹر زیٹو.... اب جاؤ۔“ گریٹا نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”ہم کل پھر ملیں گے۔“

واپسی پر حمید اپنے ہی ہاتھ سے اپنی پیٹھ ٹھوٹک رہا تھا۔ گھر پہنچا تو فریدی سے منہ بھیڑ ہو گئی۔ وہ شاید کافی دیر سے بیٹھا اسی پر تاؤ کھا رہا تھا۔

”آج کل تم کیڈی نہ لے جایا کرو.... سمجھے.... میرا بڑا نقصان ہوتا ہے۔“ اس نے کہا۔

”یہی بات آپ گنگنا کر بھی کہہ سکتے تھے۔“ حمید نے لاپرواہی سے کہا۔

”تھپڑ مار دوں گا۔“

”مگر اسی طرح جیسے میں نے گریٹا کے گال پر تھپکی دی تھی۔“ حمید سینہ تان کر بولا اور فریدی اُسے گھورنے لگا۔

”ہاں جناب۔“ اس نے پھر کہا۔ ”میں غلط نہیں کہہ رہا ہوں۔ عورتوں سے فوراً ہی بے

تکلف ہو جانا بھی ایک بہت بڑا آرٹ ہے۔ سمجھے! یور ہارڈ شپ....!“

”کیا بک رہے ہو؟“

”گریٹا نے مجھے کل پھر بلایا ہے۔ ذرا اس پانچ ایسے سانپ الگ کر دیجئے گا جن کے منہ میں ایک بھی دانت نہ ہو۔“

”میرا دماغ نہ چاٹو.... چلے جاؤ یہاں سے۔“

”آپ تو مجھے گریٹا سے بھی زیادہ بدتر معلوم ہوتے ہیں۔ اس نے کم از کم میرے ساتھ ایسا برتاؤ نہیں کیا تھا۔“

”کیا کوئی بڑا تیر مار کر آئے ہو۔“ فریدی نے طنزیہ انداز میں پوچھا

”افسوس! تیر کھا کر آیا ہوں۔ دیکھئے کب ہضم ہوتا ہے۔“

”تم تو کب اس کئے جاؤ گے۔“

”اچھا سنئے! مگر شاید آپ یقین نہ کریں۔“ حمید نے کہا اور اس مضحکہ خیز انٹرویو کا حال بیان

کرنے لگا۔ اسے توقع تھی کہ فریدی سن کر ہنسے گا۔ لیکن داستان ختم ہوتے ہی فریدی نے بڑے خشک لہجے میں کہا۔ ”تم نے اچھا نہیں کیا۔“

”حوصلہ افزائی کا شکریہ۔“ حمید منہ بنا کر بولا۔ ”لیکن واضح رہے کہ اس کے بارے میں میرا وہ نظریہ نہیں ہے جو آپ کا ہے۔ سمجھے جناب.... میرے لئے وہ ایک خوبصورت عورت ہے اور بس۔“

”تم جانتے ہو کہ میں ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھاتا ہوں۔“

”آخر آپ مجھے کیوں بور کر رہے ہیں۔ آپ اپنا کام کیجئے میں اپنا کروں گا۔“

”تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔“

”کوئی نئی بات کہتے۔ میں یہ ہزار بار سن چکا ہوں۔“

”اچھا..!“ فریدی اسے گھور کر بولا۔ ”اگر تم بھی پلیٹ میں آ جاؤ تو پھر مجھ سے شکایت نہ کرنا۔“

”میں اپنی حفاظت خود کر سکتا ہوں۔“ حمید نے لاپرواہی سے کہا۔

اتنے میں فون کی گھنٹی بجی۔ فریدی نے ہاتھ بڑھا کر ریسور اٹھالیا۔

”ہاں.... میں ہی بول رہا ہوں.... کیا ہائی سرکل میں.... خوب.... ٹھیک ہے.... کم از

کم گیارہ بجے رات تک اسے وہاں رکنا ہی چاہئے.... کیا کہہ رہے ہو.... بارہ تک.... تمہیں کیسے

معلوم ہوا.... ٹھیک.... اچھا.... تو میں مطمئن رہوں گا.... اچھا۔“

فریدی نے ریسور رکھ کر سگار سلگایا اور کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ حمید پہلے ہی دل

برداشتہ ہو رہا تھا اس نے بھی وہاں ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا۔

نوج رہے تھے۔ سردیوں کی راتیں تھیں۔ ابھی سے ایسا معلوم ہونے لگا تھا جیسے آدھی رات

گذر گئی ہو۔ فریدی اٹھ کر ایک کمرے میں آیا۔ یہاں اس نے سیاہ سوٹ پہن کر ریوالور جیب میں

ڈالا۔ وہاں سے گیراج میں آیا تو کیڑی پھر غائب تھی۔ غالباً حمید پھر کہیں نکل بھاگا تھا۔ فریدی نے

سیاہ رنگ کی چھوٹی آسٹن نکالی۔ یہ کار شاذ و نادر ہی استعمال ہوتی تھی۔ بہت ہی اہم مواقع پر فریدی

اسے نکالتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد کار مختلف سڑکوں سے گذرتی ہوئی شہر کے ایک ایسے علاقے میں پہنچ گئی

جہاں کرائے پر دیئے جانے والے بے شمار گیراج تھے۔ فریدی نے کار سے اتر کر ایک گیراج کھولا

اور کار اس کے اندر لے جا کر کھڑی کر دی۔ یہ اُس نے کرائے پر لے رکھا تھا۔

”کچھ دیر بعد وہ ایک موٹر سائیکل دھکیلتا ہوا گیراج سے نکلا۔ اب اس کے سر پر فلت ہیٹ کی بجائے ایک عجیب وضع کی ٹوپی نظر آرہی تھی۔ اس کا رنگ سیاہ تھا اور وہ اس کے سر پر کھال کی طرح منڈھی ہوئی تھی۔ جسم پر کوٹ کی جگہ چمڑے کی جیکٹ نے لے لی تھی۔

موٹر سائیکل اشارت کر کے وہ ایک سنسان اور تاریک راستے پر ہولیا۔ موٹر سائیکل کی رفتار بہت تیز تھی۔ اس نے کہیں بھی اسے کسی بھری پری سڑک پر موڑنے کی کوشش نہیں کی۔ اس کی منزل دراصل گریٹا کی قیام گاہ اسپرنگ کانچ تھی۔

اس علاقے میں بہت تھوڑے سے مکانات تھے اور وہ بھی ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر واقع تھے۔ فریدی اسپرنگ کانچ سے دو ڈھائی فرلانگ ادھر ہی موٹر سائیکل سے اتر گیا۔ شاید اس نے پہلے ہی سے موٹر سائیکل چھپانے کے لئے جگہ کا تعین کر رکھا تھا۔

موٹر سائیکل کو ٹھکانے لگانے کے بعد وہ پیدل ہی اسپرنگ کانچ کی طرف چل پڑا۔ اُسے ایسی ہی ایک رات یاد آرہی تھی جب وہ اور حمید چوروں کی طرح اسی اسپرنگ کانچ میں داخل ہوئے تھے۔ وہ بھی ایک راقصہ سہی کا معاملہ تھا۔ اس راقصہ نے بھی رہائش کے لئے اسپرنگ کانچ ہی کو منتخب کیا تھا۔ وہ بھی ایک ایسی ہی سرد رات تھی۔ لیکن اس معاملے میں فریدی نے نہ تو اتنی تیاریاں کی تھیں اور نہ وہ اتنا محتاط تھا۔ اس میں شک نہیں کہ وہ دونوں اس وقت بھی چوروں ہی کی طرح اسپرنگ کانچ میں داخل ہوئے تھے۔ لیکن انہوں نے اپنی وہ حیثیت برقرار نہیں رکھی تھی۔ ایک آنے والے کے لئے انہوں نے اطمینان سے دروازہ کھولا تھا۔

لیکن آج حمید نہیں تھا۔ نہ جانے کیوں فریدی اس کے لئے یک بیک بہت زیادہ مضطرب ہو گیا۔ حمید گریٹا پر بڑی طرح لٹو ہو رہا تھا اور یہ اس نقطہ نظر سے بڑی خطرناک چوینشن تھی۔ اس کے قدم تیزی سے اسپرنگ کانچ کی طرف اٹھنے لگے۔

پائیں باغ کے اندر چھوٹی سی عمارت تاریکی میں نہائی ہوئی کھڑی تھی۔ جیسے ہی فریدی نے پائیں باغ کے پھانک کے سامنے گزرنا چاہا وہ بڑے بڑے السیفین غراتے ہوئے پھانک کی طرف دوڑے۔ سلاخوں دار پھانک اندر سے بند تھا۔ فریدی ایک ہی جست میں چار دیواری کی اوٹ میں ہو گیا۔ لیکن وہ سلاخوں کے درمیان سے اپنی تھوتھنیاں نکالے برابر بھونکے جا رہے تھے۔ فریدی

نے پتلون کی جیب سے ایک پیکٹ نکالا۔ اس میں کچے گوشت کے ٹکڑے تھے اسے رکھوالی کرنے والے کتوں کے متعلق پہلے ہی سے علم تھا۔ اور وہ ان کے لئے پوری طرح تیار ہو کر آیا تھا۔ اس نے گوشت کے ٹکڑے اندر پھینک دیئے۔ پھر اسے کتوں کی غراہٹ سنائی دی۔ انہوں نے بھونکنا بند کر دیا تھا۔ لیکن ہلکی سی غراہٹ اب بھی جاری تھی۔ کچھ دیر بعد وہ غراہٹ بھی ختم ہو گئی اور فریدی نے اطمینان کا سانس لیا۔

فریدی جانتا تھا کہ عمارت بالکل ہی خالی نہیں ہے۔ گریٹا کے دونوں نوکر وہیں رہتے تھے لیکن اس کے باوجود بھی اس نے غیر قانونی طور پر تلاشی لینے کا خطرہ مول لیا تھا۔

وہ چکر کاٹ کر عمارت کی پشت پر پہنچا۔ اسے یاد تھا اس طرف ایک چھوٹا سا دروازہ موجود ہے۔ لیکن یہ بات بہت پرانی ہو چکی تھی اس نے اس دوران میں اس بات کی تحقیق نہیں کی تھی کہ وہ دروازہ اب بھی موجود ہے یا نہیں۔

بہر حال جب وہ عمارت کی پشت پر پہنچا تو اس کے ارادوں پر اس پڑ گئی۔ اب وہ دروازہ نہیں تھا۔ اس کی جگہ اینٹیں چن دی گئی تھیں۔

فریدی نے جیب سے نارچ نکالی۔ لیکن پھر کچھ سوچ کر اسے استعمال نہیں کیا۔ وہ اب پھر پھانک کی طرف واپس جا رہا تھا۔ پھر وہ اس جگہ رک گیا جہاں پائیں باغ کی چار دیواری کا کچھ حصہ بقیہ دیواروں سے اونچا تھا۔ یہاں دراصل نوکروں کیلئے دو چھوٹے چھوٹے کمرے بنے ہوئے تھے۔ جب اسے اچھی طرح اطمینان ہو گیا کہ نوکر انہیں دونوں کمروں میں موجود ہیں تو وہ آگے بڑھا۔ اب وہ دیوار کے اس حصے کے قریب تھا جہاں سے اصل عمارت شروع ہوئی تھی۔ اس نے اپنے سر پر منڈھی ہوئی سیاہ ٹوپی کا اگلا سرانچے کھینچ لیا۔ اس کا پورا چہرہ اس ٹوپی نے ڈھک لیا تھا۔

## وہ کون تھا

اس کی عقابی آنکھیں دو سوراخوں سے جھانک رہی تھیں۔ دوسرے لمحے میں وہ دیوار کے اوپر تھا اور پھر دوسری طرف اترنے میں اسے کوئی دشواری نہ ہوئی کیونکہ یہاں دیوار زیادہ اونچی نہیں تھی۔

وہ برآمدے میں پہنچ کر رک گیا۔ پھانک کے قریب نوکروں کے کمرے میں روشنی نظر آرہی تھی لیکن وہ اتنی تیز نہیں تھی کہ برآمدے تک پہنچ سکتی۔ گھاس میں چھپے ہوئے جھینگر جھائیں جھائیں کر رہے تھے۔ اکثر دور سے گیدڑوں کی صدائیں آتیں اور پھر سکوت چھا جاتا۔ فریدی کچھ سوچ رہا تھا۔ بات اہم ہی رہی ہوگی ورنہ وہ عمل کے وقت سوچنے کا قائل نہیں تھا۔ ایک بیک وہ دروازے کی طرف مڑا۔ اسے توقع تھی کہ وہ مقفل ہوگا۔ مگر وہ ہینڈل گھماتے ہی کھل گیا۔ اس نے بڑی احتیاط سے اندر داخل ہو کر دروازہ پھر بند کر دیا۔

اب اس کی ننھی سی نارچ دوبارہ نکل آئی تھی کیونکہ یہاں چاروں طرف اندھیرے کی حکمرانی تھی۔ روشنی کی باریک سی لکیر ادھر ادھر تیزی سے گردش کرنے لگی۔ وہ بڑی تیزی سے کمروں کی چیزیں الٹنے پلٹنے لگا۔

اچانک اسے ایک ہلکی سی آواز سنائی دی۔ اس نے نارچ بچھا دی اور چپ چاپ ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ دو تین منٹ گذر گئے۔

آخر اس نے اسے سماعت کا واہمہ سمجھ کر دوبارہ کام شروع کر دیا۔ اس نے سارے صندوق الٹ دیئے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کاش اس وقت حمید بھی ہوتا۔

آخر میں وہ گریٹا کی خواب گاہ میں آیا۔ سب سے پہلے اس کی نظر سنگھار میز پر پڑی.... اور اس نے تلاشی کی شروعات اسی سے کی۔ درازیں کھول کر دیکھیں۔

اور پھر اس کی نظر ایک چوڑے منہ کی شیشی پر جم گئی جس میں کئی رنگوں کے ننھے ننھے کپسول بھرے ہوئے تھے۔

کئی رنگوں کے کپسول؟ فریدی کے ذہن نے دہرایا.... سرخ، پیلے، گہرے گلابی اور آبی رنگ کے کپسول۔ کیا ایک ہی رنگ کے کافی نہیں تھے۔

فریدی نے شیشی کا ڈھکن کھول کر تھوڑے سے کپسول اپنی ہتھیلی پر الٹ لئے۔ ان میں سے ایک آدھ کھول کر بھی دیکھ لیکن وہ خالی تھے۔ اس نے ان میں سے ہر رنگ کے دو چار نکال کر جیب میں ڈال لئے۔

اس کے ذہن میں ایک بہت بڑا شبہ سر ابھار رہا تھا۔ ان کپسولوں کی موجودگی کے باوجود بھی وہاں اسے کوئی ایسی دوا نہ دکھائی دی جس کے استعمال کے سلسلے میں یہ کپسول ضروری ہوتے۔

ایک جگہ اسے گریٹا کے بہت سے سرٹیفکیٹ ملے جو اسے مختلف ملکوں سے مخصوص تقریبات کے مواقع پر دیئے گئے تھے۔ فریدی نے انہیں بھی جیب میں ڈال لیا۔ اس نے سوچا کہ آخر اس افراطی کی کا بھی تو کوئی جواز ہونا ہی چاہئے۔ ہو سکتا ہے کہ کل شام کے اخبارات ایک حیرت انگیز چوری کی خبر چھاپیں جس میں صرف سرٹیفکیٹ چرائے گئے ہوں۔

وہ دل ہی دل میں اپنی اس تدبیر پر ہنسا۔

وہ واپسی کے لئے مڑ رہا تھا کہ اسے برابر والے کمرے میں پھر ایک ہلکی سی آواز سنائی دی۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے کسی نے نیند میں کراہ کر روٹ بدلی ہو۔ اسے بڑی حیرت ہوئی کیونکہ وہ تھوڑی ہی دیر قبل سارے کمروں کو دیکھ چکا تھا اور وہ سب خالی تھے۔ وہ دبے پاؤں خواب گاہ سے نکل کر اس کمرے کے بند دروازے کے سامنے کھڑا ہو گیا اور اس نے اسے کھولنے کی کوشش کی لیکن وہ اندر سے بند تھا۔

حیرت کا دوسرا لمحہ۔ کچھ دیر قبل وہ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اگر کوئی اس میں داخل بھی ہوا ہے تو اس نے کمرے کی ابتری کی طرف کیوں دھیان نہیں دیا۔ اگر وہ گھر ہی کا کوئی فرد ہے تو اسے ایسی حالت میں اس طرح دروازہ بند کر کے بیٹھ رہنے کی بجائے پورے مکان کا چکر لگانا چاہئے تھا۔ اندر داخل ہونے والے نے روشنی بھی نہیں کی تھی۔

اس نے دروازے کے شیشوں سے اندر جھانکنے کی کوشش کی۔ کمرے میں گہرا اندھیرا تھا۔ دفعتاً اسے روشنی کی ایک باریک سی لکیر گردش کرتی ہوئی نظر آئی۔ غالباً یہ اسی قسم کی نارچ کی روشنی تھی جیسے کچھ ہی دیر پیشتر فریدی استعمال کر چکا تھا۔ نارچ کی روشنی بکھرے ہوئے سامان پر ریگتی پھر رہی تھی۔

پھر نارچ بجھا دی گئی اور کسی نے دروازے کے ہینڈل کو اندر سے پکڑ کر گھمایا۔ فریدی دروازے کے سامنے سے کھسک کر دیوار سے چپک گیا۔

باہر آنے والے کے پس منظر میں کھلا ہوا آسمان تھا۔ اس لئے فریدی اس کا دھندلا سایہ دیکھنے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ ایک طویل القامت آدمی تھا۔

اب وہ فریدی کے قریب سے گذر تا ہوا خواب گاہ میں داخل ہو گیا۔

اچانک بیرونی برآمدے میں کئی قدموں کی آوازیں سنائی دیں اور ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے

دروازے کا ہینڈل گھمایا ہو۔ خواب گاہ میں گھسا ہوا آدمی باہر نکل آیا۔ پھر فریدی نے اس کو صحن سے گذر کر باورچی خانے کی چھت پر چڑھتے دیکھا۔

خود اس کا بھی وہاں ٹھہرنا غرہ سے خالی نہیں تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے دوسرا آدمی اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ فریدی نے بھی بڑی تیزی سے اس کی تقلید کی۔ باورچی خانے کی دیوار کافی نیچی تھی۔ اس نے چھت پر چڑھ کر دوسری طرف جھانکا۔ دوسرا آدمی نیچے کود چکا تھا۔ اندر داخل ہونے کے لئے یہ راستہ بڑا آسان تھا۔ لیکن فریدی نے جلدی میں اسے نظر انداز کر دیا تھا۔ پہلے کودنے والا بڑی تیز رفتاری سے ایک طرف جا رہا تھا۔ فریدی نے بھی نیچے چھلانگ لگادی۔ حالانکہ اس نے کرپ سول جوتے پہن رکھے تھے مگر کودنے سے جو آواز ہوئی وہ آگے جاتے ہوئے آدمی کو چونکا دینے کے لئے کافی تھی۔ وہ ایک لمحہ کے لئے ٹھنکا پھر یک بیک دوڑنے لگا۔۔۔ فریدی اس کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔

اچانک اسپرنگ کالج کی طرف سے کسی نے فار کیا۔ گولی سنسناتی ہوئی فریدی کے قریب سے نکل گئی۔ دوسرا فائر ہوا۔ شور و غل کی آوازیں بھی سنائے میں انتشار پھیلانے لگیں۔ دوسرا آدمی فریدی کی نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ اب اس نے یہی مناسب سمجھا کہ اس کے تعاقب کا خیال ترک کر کے چپ چاپ یہاں سے نکل جائے۔

دوسری صبح فریدی ناشتے کی میز پر حمید کا انتظار کر رہا تھا اور اس کے ذہن میں پچھلی رات کے واقعات تیزی سے گردش کر رہے تھے۔ آخر وہ دوسرا آدمی کون تھا؟ اور اسے کس چیز کی تلاش تھی؟

کئی منٹ گذر گئے لیکن حمید نہیں آیا۔ پھر نوکر نے اطلاع دی کہ وہ موجود ہی نہیں ہے۔ فریدی نے سارا دن اپنی تجربہ گاہ میں گزارا۔۔۔ اور شام کو جب نیچے آیا تو اس نے سب سے پہلے شام کو شائع ہونے والے اخبارات طلب کئے اور پھر وہ خبر اسے مل ہی گئی جس کی اسے تلاش تھی۔۔۔ تقریباً سارے ہی اخبارات نے خبر جلی حرفوں میں دی تھی۔ ”اطالوی رقاہہ گریٹا سیرانو کے یہاں عجیب و غریب چوری۔ گھر کا سارا سامان الٹ پلٹ دیا گیا۔۔۔ لیکن چور صرف اس کے سرٹیفکیٹ لے گیا۔ پولیس نے رپورٹ درج کر لی ہے اور کو تو الی انچارج انسپکٹر جگدیش تحقیقات کر رہے ہیں۔“

فریدی کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی۔

اس نے ڈرائیور کو آواز دے کر کیڈی نکالنے کو کہا۔

”ابھی ابھی حمید صاحب لے گئے ہیں۔“ ڈرائیور نے کہا اور فریدی تاؤ کھا کر رہ گیا۔۔۔ اور حمید اپنی خیالی مونچھوں پر تاؤ دیتا ہوا اسپرنگ کاٹج کی طرف اڑا جا رہا تھا۔ چمڑے کے تھیلے میں درجنوں بے ضرر سانپ کلبلا رہے تھے۔

اسپرنگ کاٹج پہنچ کر وہ کیڈی سے اتر گیا۔ لیکن تھیلا اسی میں پڑا رہنے دیا۔ برآمدے میں کھڑے ہوئے ملازم نے کارڈ طلب کیا۔

”اوہ۔۔۔!“ حمید پیر پٹخ کر بولا۔ ”جا کر کہہ دو۔۔۔ ڈاکٹر زیو تشریف لائے ہیں۔“

”صاحب وہ اردو نہیں سمجھتیں۔ لکھ کر دیجئے۔“ نوکر نے لجاجت سے کہا۔

حمید نے کاغذ کے ایک ٹکڑے پر پنسل سے گھیٹ کر اسے دے دیا۔ نوکر کو واپسی میں دیر نہیں لگی۔ ایسا معلوم ہوا جیسے حمید کا انتظار ہی رہا ہو۔

ڈرائیونگ روم میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے اس کی نظر انیسٹر جگدیش پر پڑی۔ حمید نے جگدیش کو چونکتے دیکھا۔ وہ بھی بوکھلا گیا تھا۔ لیکن اس نے گریٹا کی نظر بچا کر جگدیش کی طرف دیکھتے ہوئے اپنی بائیں آنکھ دبا دی۔

”آفیسر۔۔۔ یہی ہے وہ آدمی۔“ دفعتاً گریٹا چیخ کر بولی۔

”اگر یہ وہی آدمی ہے تو مجبور ہوں۔“ جگدیش ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

”کیوں۔۔۔؟“ گریٹا اسے گھورنے لگی۔

”میں یہ سوچ ہی نہیں سکتا کہ اس نے آپ کے سرٹیفکیٹ چرا لئے ہوں گے۔“ جگدیش نے

کہا۔ ”ہاں اگر آپ کا پاؤ ڈرپف یا ہیر پین غائب ہوا ہو تا تو بات دوسری تھی۔“

حمید ان دونوں کو پاگلوں کی طرح گھورتا رہا۔ اس نے گریٹا کے یہاں کی چوری کی خبر پڑھی تھی۔ لیکن یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ گریٹا نے اسی کے خلاف شبہ ظاہر کیا ہوگا۔

”کیا آپ اس سے واقف ہیں۔“ گریٹا نے پوچھا۔

”اچھی طرح۔۔۔ یہ ایک معزز شہری ہے۔“

”کیا بات۔۔۔!“ حمید نے ان دونوں کو باری باری سے گھور کر کہا۔

”اچھا مس گرینا....!“ جگدیش اٹھتا ہوا بولا۔ ”میں پوری کوشش کروں گا۔“  
جگدیش سر جھکائے ہوئے حمید کے قریب سے نکل گیا۔ حمید کھڑا گرینا کو گھورتا رہا۔ اس نے اسے بیٹھنے کو بھی نہ کہا۔

”آخر بات کیا ہے۔“ حمید نے پھر پوچھا۔

”یہاں چوری ہو گئی ہے۔“

”میں جانتا ہوں.... میں نے اخبار میں دیکھا تھا۔“ حمید سر ہلا کر بولا۔ ”لیکن کیا تمہیں مجھ پر

شبہ ہے۔“

”میں نے یونہی خیال ظاہر کیا تھا۔“ گرینا تھوک نکل کر بولی۔ پھر تھوڑے وقف کے ساتھ

اس نے پوچھا۔ ”آخر تم ہو کون؟“

”ڈاکٹر زیٹو.... سانپوں کا ماہر۔“

”پولیس والے تمہیں کیسے جانتے ہیں۔“

”وہ مجھے جاننے پر مجبور ہیں.... میں یہاں کا ایک بہت بڑا آدمی ہوں۔“

”اور تم سانپ پکڑتے ہو۔“

”ہاں یہ میری ہالی ہے۔“

”ہوگی.... میں اس وقت بہت پریشان ہوں۔“

”سریٹفیکٹ کے لئے پریشانی۔“ حمید نے حیرت سے کہا۔ ”میں یہاں سے تمہیں درجنوں

سریٹفیکٹ دلا دوں گا۔“

”جاؤ.... پھر کبھی آنا۔“ گرینا بے صبری سے ہاتھ ملا کر بولی۔

”میں سانپ لایا ہوں۔“

”مجھے بالکل فرصت نہیں ہے۔“

”تو تم نے میرا اتنا وقت کیوں برباد کر لیا۔“ حمید بگڑ گیا۔ ”میں بہت مشغول آدمی ہوں۔“

گرینا کچھ نہ بولی۔ وہ بہت زیادہ اکتائی ہوئی نظر آنے لگی تھی۔

”اچھی بات ہے میں جا رہا ہوں۔“ حمید نے پیرنچ کر کہا اور کمرے سے باہر نکل آیا۔ کیڑی

پائیں باغ کی روش پر کھڑی تھی۔ اس نے سانپوں کا تھیلہ نکالا اور پھر گرینا کے ڈرائنگ روم میں

جاگھسا۔ گریٹا بھی شاید باہر ہی جانے کے لئے اٹھی تھی۔ حمید نے تھیلا میز پر الٹ دیا اور گریٹا چیخ مار کر صوفے پر چڑھ گئی۔ درجنوں سانپ میز پر رینگتے پھر رہے تھے۔

”کیا میں جھوٹ کہتا ہوں۔“ حمید نے پرسکون لہجے میں کہا اور جھک کر ایک سانپ اٹھاتا ہوا بولا۔ ”یہ میرے بچپوے ہیں۔“

گریٹا صوفے پر کھڑی بری طرح کانپ رہی تھی۔ دفعتاً ایک کالا سانپ پھین اٹھائے صوفے کی طرف لپکا اور گریٹا دوبارہ چیخ مار کر حمید کی گردن میں جھول گئی۔ پھر وہ دونوں صوفے پر ڈھیر ہو گئے۔ نوکر برآمدے پر کھڑے چیخ رہے تھے۔

”خدا کے لئے....!“ گریٹا ہانپتی ہوئی بولی۔

”تم مجھے جھوٹا سمجھتی تھیں۔“

”نہیں.... نہیں.... انہیں لے جاؤ۔“

”گھبراؤ نہیں.... جب تک تم میرے قریب ہو یہ تمہارا کچھ نہیں کر سکتے۔“

حمید نے سوچا کہ اگر یہ نوکر شور مچاتے ہوئے سڑک پر نکل گئے تو بڑی زحمت ہوگی۔

اس نے گریٹا سے کہا۔ ”ان گدھوں کو چپ کر اؤ ورنہ، میرے سانپوں کا نروس بریک ڈاؤن

ہو جائے گا۔“

گریٹا خوفزدہ سی ہنسی کے ساتھ ہاتھ ہلا کر نوکروں کو چلے جانے کا اشارہ کرنے لگی۔

نوکروں نے اس کے اس رویہ کو حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا اور چپ چاپ چلے گئے۔

”اؤہ.... ای۔“ گریٹا پھر چیخ مار کر حمید پر لد پڑی۔ ایک سانپ صوفے پر چڑھنے کی کوشش

کر رہا تھا۔ حمید نے اسے دوسری طرف جھٹک دیا۔

”ہٹاؤ.... انہیں.... ہٹاؤ.... ورنہ میں نوکروں کو بلاتی ہوں۔“

”نوکر اس کمرے میں گھسنے کی بھی ہمت نہ کر سکیں گے۔“ حمید نے لاپرواہی سے کہا۔

”آخر تم چاہتے کیا ہو۔“

”دو باتیں.... ایک تو تم یہ تسلیم کرو کہ میں جھوٹا نہیں ہوں۔“

”میں تسلیم کرتی ہوں۔“

”دوسری بات یہ کہ مجھ سے روز ملوگی۔“

”ملوں گی۔“

”بس ٹھیک! اچھا مجھے اٹھنے دو تاکہ میں انہیں دوبارہ تھیلے میں رکھ سکوں۔“  
 گریٹا اسے چھوڑ کر ایک طرف کھسک گئی اور حمید سانپوں کو پکڑ پکڑ کر تھیلے میں ڈالنے لگا۔  
 ”تمہیں خوف نہیں معلوم ہوتا۔“ گریٹا نے کہا۔  
 ”نہیں یہ میرے بہترین دوست ہیں۔“

آخری سانپ حمید کے ہاتھ ہی میں تھا کہ ایک لمبا تڑنگا ایگلو انڈین کمرے میں داخل ہوا اور  
 پند لمحے حیرت سے منہ کھولے دروازے کے قریب کھڑا رہا۔

حمید نے سانپ کو تھیلے میں ڈالتے ہوئے گریٹا سے کہا۔ ”کھیل ختم ہو گیا۔“  
 ”اوہ.... مسٹر کیلب....!“ گریٹا نے نوار کو مخاطب کیا۔ ”یہ سانپوں کے ماہر ڈاکٹر زیٹو ہیں۔“  
 حمید سوچ رہا تھا کہ اس نے اس سے پہلے کیلب کو کب اور کہاں دیکھا تھا۔  
 کیلب حمید کو گھورتا ہوا آگے بڑھا اور حمید نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔  
 ”بڑی خوشی ہوئی مسٹر کیلب....!“

”مجھے بھی کم خوشی نہیں ہوئی کیپٹن حمید۔“ اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ”لیکن تمہارے  
 ہاتھ گندے ہیں اس لئے مصافحہ نہیں کر سکتا۔“

”کوئی بات نہیں پھر کسی دن سہی۔“ حمید مسکرا کر بولا۔  
 ”لیکن دوسروں سے تعارف حاصل کرنے کا یہ طریقہ بہت ہی بھونڈا ہے۔“ اس نے  
 سانپوں کے تھیلے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”تم انہیں جانتے ہو۔“ گریٹا نے جلدی سے کہا۔  
 ”ہاں!“ کیلب برا سامنے بنا کر بولا۔ ”یہ محکمہ سراغ رسانی کے ایک بدنام آفیسر ہیں۔ وہ  
 عورتیں جو انہیں منہ لگانا پسند نہیں کرتیں ان سے اس طرح تعارف حاصل کرتے ہیں۔“  
 ”یہ جملہ تمہیں بہت مہنگا پڑے گا۔“ حمید نے فرش سے تھپا اٹھاتے ہوئے کہا۔  
 کیلب نے استہزائیہ انداز میں قہقہہ لگایا اور حمید نے گریٹا کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”تم مجھے بہت  
 یاد آؤ گی۔“

وہ کمرے سے نکل آیا۔ لیکن اس کا ذہن کیلب میں الجھ کر رہ گیا تھا۔ آخر وہ کون تھا....؟

## کہاں مری تھی

فریدی مضطربانہ انداز میں اپنی تجربہ گاہ میں ٹہل رہا تھا۔ اس کے چہرے سے جوش کا اظہار ہو رہا تھا۔ شاید اس نے ابھی ابھی کوئی تجربہ کر کے اس سے خاطر خواہ نتائج اخذ کئے تھے۔ اس نے نوکر کے لئے گھنٹی بجائی.... اور سگار سلگا کر ایک میز کے کونے پر بیٹھ گیا۔

”حمید کو بھیج دو۔“ نوکر کو دروازے میں کھڑا دیکھ کر اس نے کہا۔

کچھ دیر بعد حمید عجیب ہیئت کدائی میں اس کے سامنے موجود تھا۔ بال بکھرے ہوئے جسم پر ریشم کا پھولدار لمبا لبادہ جاپانی کیمونو سے ملتا جلتا۔ ہونٹوں پر لپ اسٹک کی ہلکی سی سرخی تھی۔

”تم دوسروں کو ہنسائے کی کوشش میں بھانڈے ہوئے جا رہے ہو۔“ فریدی نے منہ بنا کر کہا۔

”آپ غلط سمجھے۔“ حمید نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔ ”میں دراصل آئینے کے سامنے ایک

گوئی لڑکی کا رول ادا کر رہا تھا۔“

”بیٹھ جاؤ، کواں نہ کرو۔ تمہیں شرم نہیں آتی۔ نوکر کیا کہتے ہوں گے۔“

”مجھے.... نوکروں!....!“

”خاموش رہو۔“ فریدی جھنجھلا گیا۔ ”جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اسے کان کھول کر سنو۔“

”میرے کان بند نہیں ہیں۔“ حمید نے لاپرواہی سے کہا۔

”تم کل شام کو بھی اسپرنگ کانٹج گئے تھے اور وہاں تم نے جو اودھم مچائی اس کی رپورٹ

باقاعدہ طور پر آفس میں آئی ہے۔“

”رپورٹ کس نے کی ہے؟“

”خود گریٹا نے۔“

”گڈ لارڈ!....!“ حمید اپنی کھوپڑی سہلانے لگا۔

”تمہاری وجہ سے میری بڑی بدنامی ہوتی ہے۔“

”تو پھر مجھے گولی مار دیجئے۔“ حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

”نہیں بہتر یہی ہو گا کہ تم اب یہاں سے چلے جاؤ۔ جتنی جلد ممکن ہو سکے کوٹھی خالی کر دو۔“

فریدی نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔

حمید بوکھلا کر اسے گھورنے لگا۔

اتنے میں ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ فریدی نے ریسیور اٹھالیا۔

”ہیلو.... ہاں فریدی بول رہا ہوں.... اوہ.... آپ ہیں.... آداب عرض.... کیا؟“  
بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے اس کے جسم میں بجلی کا شاک لگا ہو۔ وہ آنکھیں پھاڑے اور منہ  
کھولے سنتا رہا۔ پھر یک یک بولا۔ ”دیکھئے یقیناً کسی نے اس واقعے سے فائدہ اٹھایا ہے.... یقین  
کیجئے! یہ ناممکن ہے۔“

وہ پھر دوسری طرف سے بولنے والے کی بات سننے لگا۔ حمید کو فریدی کی یہ بات گراں  
گذری تھی وہ جانے کے لئے مڑا لیکن فریدی نے بڑی بے صبری سے ہاتھ اٹھا کر اسے روکنے کا  
اشارہ کیا۔ جب حمید اس پر بھی نہ مانا تو وہ ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر دہاڑا۔ ”شہر جاؤ۔“  
حمید رک گیا۔

فریدی نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ ”میں ابھی حاضر ہوتا ہوں۔ اسے بھی لاؤں گا۔“  
اس نے ریسیور رکھ کر حمید کی گردن پکڑ لی۔ ”جاتے کہاں ہو! اب تم کہیں نہیں جاسکتے۔“  
”معاف کیجئے گا میں سنجیدہ ہوں۔“ حمید نے خشک لہجے میں کہا۔  
”میں بھی سنجیدہ ہوں اور ہو سکتا ہے کہ میری سنجیدگی تمہیں پھانسی کے تختے تک پہنچا دے۔“  
حمید کچھ نہ بولا۔ اس کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اپنی زبان  
روکنے کے لئے انتہائی جدوجہد کر رہا ہو۔

ابھی ابھی ڈی۔ آئی۔ جی صاحب نے فون پر اطلاع دی ہے کہ گریٹا مر گئی۔  
”کیا....؟“ حمید گھبرا کر ایک قدم پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔  
”ہاں! فرزند۔ اس کی لاش اسپرنگ کلچ میں پڑی ہوئی ہے اور پولیس وہاں پہنچ چکی ہے۔“  
ڈی۔ آئی۔ جی صاحب بھی موجود ہیں۔“

”ڈی۔ آئی۔ جی صاحب کا وہاں کیا کام۔“ حمید نے کہا۔  
”انہیں تمہاری کل والی حرکت کی رپورٹ مل چکی تھی۔ لہذا جب انہیں معلوم ہوا کہ گریٹا  
کی موٹو سانپ کے کاٹنے کی وجہ سے....!“  
”سانپ....!“ حمید کے حلق سے خوفزدہ سی آواز نکلی۔

”ہاں.... اس کے داہنے پیر میں سانپ کے کاٹنے کا نشان موجود ہے۔“ فریدی نے پرسکون لہجے میں کہا۔

یقیناً کسی نے مجھے بڑی طرح پھنسا دیا۔

”فریدی تو پاگل ہے۔“ فریدی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ”اُسے خواہ مخواہ شک کرنے کی عادت پڑ گئی ہے۔ وہ غلط بھی سوچ سکتا ہے مگر حمید صاحب یہ کیا ہوا....؟“

حمید کچھ نہ بولا۔ اُس کے چہرے پر زردی چھا گئی تھی۔

”گریٹا کے نوکروں نے بھی تمہارے خلاف شہادت دی ہے اور ایک آدمی اور ہے۔ کیلب.... کل اس نے بھی تمہارے ہاتھ میں سانپوں کا تھیلا دیکھا تھا۔“

”یہ تو بہت بُرا ہوا۔“ حمید کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔

”برے سے بھی کچھ زیادہ۔“ فریدی نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔ ”خیر تم جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ ہمیں وہاں فوراً ہی پہنچنا ہے۔“

”میں بھی چلوں۔“

”ہاں! تم فکر نہ کرو۔ تم بعض اوقات فریدی کو بدھو سمجھنے لگتے ہو۔ اب میں تمہیں دکھاؤں گا کہ فریدی کیا ہے؟“

”بڑی خطرناک پوزیشن ہو گئی ہے میری۔“

”تمہاری اس حماقت سے مجرم ہو شیار ہو گئے اور انہوں نے نہ صرف گریٹا کو ٹھکانے لگا دیا بلکہ تمہیں بھی مصیبت میں ڈال گئے۔ اب ہمارے پاس ان کا کوئی سراغ نہیں۔ گریٹا ایک اچھا ذریعہ تھی.... خیر.... میں دیکھوں گا۔ جلدی کرو۔“

حمید پر بڑی طرح بدحواسی طاری تھی۔ وہ بزدل نہیں تھا۔ لیکن جب وہ یہ دیکھتا کہ قانون کی گرفت میں آنے والا ہے تو بہت جلد پریشان ہو جاتا تھا۔ بادی النظر میں اُسے ہی گریٹا کی موت کا ذمہ دار قرار دیا جاسکتا تھا۔ کوئی عدالت اسے نہ تسلیم کرتی کہ سارے ہی سانپ بے ضرر رہے ہوں گے۔ اور نہ اسی بات کا کوئی ٹھوس ثبوت مہیا کیا جاسکتا تھا کہ حمید سارے سانپ سمیٹ لایا ہو گا۔ ہو سکتا تھا کہ ایک آدھ کہیں چھپا رہ گیا ہو۔

تھوڑی دیر بعد فریدی کی کیڈی کپاؤنڈ سے باہر نکل رہی تھی۔

”تم نے سانپ کس کچ سے نکالے تھے۔“ فریدی نے پوچھا۔  
 ”کچ نمبر چار ہے۔“ حمید نے کہا۔ ”مجھے یقین ہے کہ اس میں کوئی بھی زہریلا نہیں۔“  
 ”ٹھیک ہے! میں انہیں دیکھتا رہتا ہوں۔“ فریدی بولا۔

پھر راستے بھر دونوں خاموش رہے۔ وہ دونوں ہی فکر مند تھے۔  
 اسپرنگ کلچ کے سامنے کئی پولیس کاریں کھڑی تھیں اور پھانک پر دو کانسیبل موجود تھے۔  
 فریدی اور حمید کو کار سے اترتے دیکھ کر وہ سیدھے کھڑے ہو گئے۔  
 ”کیا ڈی۔ ایس۔ پی صاحب بھی ہیں۔“ فریدی نے ان سے پوچھا۔

اس کا جواب انہوں نے اثبات میں دیا۔ وہ دونوں اندر آئے۔ یہاں سات آٹھ پولیس والوں کے علاوہ فریدی کے محکمے کا ڈی۔ آئی۔ جی بھی موجود تھا۔ ڈی۔ ایس۔ پی سٹی نے حمید کی طرف دیکھتے ہوئے بُرا سا منہ بنایا۔

”لاش اندر ہے۔“ ڈی۔ ایس۔ پی نے فریدی سے اس انداز میں کہا جیسے وہ مردے کو اٹھانے کا کام کرتا ہو۔ ان دنوں ان دنوں میں پھر چشمک ہو گئی تھی۔  
 فریدی نے اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی۔ لیکن کچھ نہ بولا۔

”میرے ساتھ آؤ۔“ ڈی۔ آئی۔ جی نے فریدی اور حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ وہ انہیں اس کمرے میں لایا جہاں لاش پڑی ہوئی تھی۔ اس کے جسم پر شبِ خوابی کا لباس تھا۔ مگر یہ سونے کا کمرہ نہیں تھا۔ وہی کمرہ تھا جہاں حمید نے پچھلی شام اپنے کرتب دکھائے تھے۔  
 ”لاش سب سے پہلے کس نے دیکھی۔“ فریدی نے سوال کیا۔

ڈی۔ آئی۔ جی اُسے حیرت سے دیکھنے لگا۔ پھر اُس نے کہا۔ ”کیا تمہیں یقین ہے کہ لاش ہی دیکھی گئی ہوگی۔“

”جی ہاں! مجھے یقین ہے کہ کسی نے اسے چیختے بھی نہ سنا ہو گا اور نوکروں نے اس کی لاش صبح یہیں پائی ہوگی۔“ فریدی نے کہا۔

”تو تمہیں تفصیل معلوم ہو چکی ہے۔“ ڈی۔ آئی۔ جی بولا۔

”ہر گز نہیں.... مجھے اتنا ہی معلوم ہے جتنا آپ نے فون پر بتایا تھا۔ پھر میں ادھر چلا آیا۔ یہ بات میں نے لاش کی حالت دیکھ کر کہی ہے۔ یہ غالباً ڈرائنگ روم ہے۔“

فریدی خاموش ہو کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔

”خیر اسے جانے دو۔“ ڈی۔ آئی۔ جی بولا۔ ”میں کل والے واقعے کی بات کرنا چاہتا ہوں۔“

”کل والا واقعہ۔“ فریدی طویل سانس لے کر بولا۔ ”حمید نے وہ سب کچھ میری ایک اسکیم

کے تحت کیا تھا۔“

”تمہاری اسکیم۔“

”جی ہاں.... گریٹا ایک خطرناک عورت تھی۔“

”کیا کہہ رہے ہو....؟“

”ناخنوں والی وبا میں اسی کا ہاتھ تھا۔“

ڈی۔ آئی۔ جی اُسے چند لمحے حیرت سے دیکھتا رہا پھر بولا۔ ”بہت زیادہ سوچنے والے اکثر اپنا

ذہنی توازن کھو بیٹھتے ہیں۔“

”آپ نے ہمیشہ میرے متعلق یہی رائے قائم کی ہے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ اتنے میں

ڈی۔ ایس۔ پی نے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔

”ذرا توقف کیجئے۔“ ڈی۔ آئی۔ جی نے ہاتھ اٹھا کر کہا اور وہ واپس چلا گیا۔

”ناخنوں کی وبا کی کیا بات تھی۔“ ڈی۔ آئی۔ جی نے فریدی سے کہا۔

اس پر فریدی نے اب تک جتنی بھی چھان بین کی تھی اس کا لب لباب بتاتے ہوئے کہا۔

”اب آپ خود خیال فرمائیے میں اسے محض اتفاق کس طرح تسلیم کر لوں جب کہ وہ ایک دو نہیں

بلکہ پانچوں موقعوں پر موجود رہی ہے اور پانچوں مرنے والے قومی ترقیاتی پروگرام میں بہت ہی

اہم رول ادا کر رہے تھے۔ ابھی تک کوئی عام آدمی اس وبا کا شکار نہیں ہوا۔“

فریدی خاموش ہو گیا اور ڈی۔ آئی۔ جی کچھ سوچتا رہا۔ فریدی پھر بولا۔ ”گریٹا کی پشت پناہ

کوئی بڑی طاقت تھی۔ اس نے جب دیکھا کہ ہم لوگ اس میں دلچسپی لے رہے ہیں تو اس نے اسے

ٹھکانے لگا دیا۔ اب ہمارے پاس فی الحال اس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں۔ گریٹا ہی اس پُر اسرار

آدمی تک پہنچنے کا ایک ذریعہ تھی۔“

”وہ تو ٹھیک ہو سکتا ہے۔“ ڈی۔ ایس۔ پی بولا۔ ”مگر کیا یہ ممکن نہیں کہ ایک سانپ یہاں رہ

گیا ہو۔ نوکروں نے بتایا ہے کہ انہوں نے اسی کمرے میں سانپ دیکھے تھے۔“

”لاش انہوں نے یہیں پڑی پائی تھی؟“ فریدی نے پوچھا۔

”ہاں....!“

”ڈاکٹر کو یقین ہے کہ یہ سانپ ہی کے دانتوں کا نشان ہے۔“

”ہاں بھئی۔“

”موت ہوئے کتنی دیر گذری....!“ فریدی نے پوچھا۔

”بچھل رات دس اور ایک بجے کے درمیان میں۔“

”تو گویا وہ رات کسی وقت خواب گاہ سے اٹھ کر یہاں آئی اور اسے سانپ نے ڈس لیا۔ لیکن

وہ چیخی بھی نہیں۔ خاموشی سے مر گئی۔“

”ممکن ہے! نوکروں نے چیخ نہ سنی ہو۔“ ڈی۔ آئی۔ جی بولا۔ ”وہ پھانک کے قریب والی

کوٹھڑیوں میں سوتے ہیں۔ گریٹا عمارت میں تنہا تھی۔“

”دیکھئے! یہاں کئی سوال پیدا ہوتے ہیں۔ انہیں نفسیاتی نقطہ نظر سے دیکھنے کی کوشش کیجئے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ پرسوں رات کو اس عمارت میں چوری ہو چکی ہے۔ کیا یہ حیرت انگیز بات نہیں ہے کہ اس کے باوجود بھی وہ اس عمارت میں تنہا رہی۔ اس کا نفسیاتی رد عمل تو یہ ہونا چاہئے

تھا کہ گریٹا نوکروں کو بھی اسی عمارت میں سلاقی۔ خیر اسے بھی جانے دیجئے۔ یہ ایک الگ بحث ہے۔ لاش کی طرف دیکھئے۔ وہ ننگے پیر ہے اور جسم پر شب خوابی کا لباس ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے

کہ وہ خواب گاہ سے اٹھ کر یہاں آئی تھی۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ ننگے پیر کیوں آئی۔“

”یہ سوال فضول ہے.... بہت سے لوگوں کو گھر میں ننگے پیر چلنے کی عادت ہوتی ہے۔“

ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔

”میں اسے تسلیم کرتا ہوں۔ لیکن ہمیں اس کا جائزہ بھی نفسیاتی نکتہ نظر ہی سے لینا چاہئے۔

اگر کسی گھر میں اتفاقاً سانپ دکھائی دے جاتا ہے تو اس گھر کے افراد ہفتوں رات کو ننگے پیر یا اندھیرے میں چلنے کی ہمت نہیں کرتے۔ چہ جائیکہ اسی کمرے میں گریٹا نے درجنوں سانپ دیکھے

تھے۔ جس طرح ہم یہاں ایک آدھ سانپ کے رہ جانے کے امکانات پر غور کر رہے ہیں کیا خود اس کے ذہن میں بھی یہی چور نہ رہا ہوگا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوا۔ بہر حال ایسے حالات میں اس کا

نگے پیر چلنا سمجھ میں نہیں آتا۔“

فریدی خاموش ہو کر پھر چاروں طرف نظر دوڑانے لگا پھر اس نے کہا۔ ”میں نوکروں سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں“

دونوں نوکر بلوا لئے گئے۔ وہ خوف سے زرد ہو رہے تھے۔

”تم میں سے کس نے لاش پہلے دیکھی تھی۔“ فریدی نے پوچھا۔

”میں نے....!“ ایک نے جواب دیا۔

”کیا وقت تھا....!“

”چھ بجے تھے شاید۔“

”کیا یہ بلب جل رہا تھا۔“ فریدی نے چھت سے لٹکتے ہوئے بلب کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”پتہ نہیں.... میں نے نہیں دیکھا۔“

”تم نے....!“ فریدی نے دوسرے سے پوچھا۔ اس نے بھی نفی میں جواب دیا۔ پھر فریدی

نے پولیس کے عملہ سے بھی یہی سوال کیا۔ لیکن ان میں سے بھی کسی نے بلب کو روشن نہیں

دیکھا تھا۔ ڈاکٹر جاچکا تھا۔ فریدی نے اسے بھی فون کر کے یہی سوال دہرایا۔ آخر ڈی۔ آئی۔ جی

تھک آگیا۔

”آخر اس سوال سے تم کیا معلوم کرو گے۔“ اس نے اکتا کر کہا۔

”کچھ نہیں۔ میں نے یہ بات معلوم کر لی کہ یہ بلب روشن نہیں تھا۔ حالانکہ گریٹا اس کمرے

میں تو کبھی ننگے پیر اندھیرے میں نہ آتی۔ یہاں کام کرنے والا ذرا سا چوک گیا۔ اسے چاہئے تھا کہ

لاش یہاں ڈالنے کے بعد بلب روشن کر دیتا۔ اس سے تھوڑا بہت دھوکا تو ہم کھا ہی سکتے تھے۔

ہاں.... یہ بتائیے.... خواب گاہ بھی دیکھی کسی نے؟“

”نہیں! خواب گاہ کیوں؟“

”میرا خیال ہے کہ سانپ نے اُسے وہیں ڈسا ہو گا۔“ فریدی بولا۔

پھر وہ خواب گاہ میں آئے۔ فریدی نے اس کمرے میں قدم رکھتے ہی ڈی۔ آئی۔ جی کی

طرف مڑ کر کہا۔ ”یہاں بھی کام کرنے والے نے ٹھوکر کھائی ہے۔ غالباً وہ بہت جلدی میں تھا۔

دیکھئے بستر شکن آلود ہے۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوتا ہے جیسے اس پر سونے والا بڑے ہی کرب کے

عالم میں مچلتا رہا ہو۔ کیا تعجب ہے کہ ایک اس کا منہ دبائے رہا ہو اور دوسرے نے اس کے پیر کے

انگوٹھے سے سانپ کا منہ لگا دیا ہو۔ اس کی بھی ضرورت نہیں جناب نشانات مصنوعی دانتوں سے ڈال کر سانپ کے زہر کا انجکشن بھی تو دیا جاسکتا ہے۔ بھلا اتنا مہلک سانپ کون سا تھ لئے پھرے گا۔“ کوئی کچھ نہ بولا۔ فریدی نے آگے بڑھ کر میز کی درازیں کھولیں اور ان میں رکھی ہوئی چیزوں کو بڑی تیزی سے التا پلتا چلا گیا۔ لیکن اسے وہ شیشی نہ ملی جس میں اس نے ایک رات کئی رنگوں کے ننھے ننھے کپسول دیکھے تھے۔

”اب کیا کر رہے ہو تم....!“ ڈی۔ آئی۔ جی نے پوچھا۔

”مجھے ایک چیز کی تلاش ہے جس کے متعلق میں آپ کو پھر کبھی بتاؤں گا۔ مجھ پر اعتماد کیجئے اور لاش کو اٹھوا کر پوسٹ مارٹم کیلئے بھجوادیتجئے۔ میں ایک بہت بڑی سازش کی بو سونگھ چکا ہوں۔“

## تین ہم شکل

پتہ نہیں ڈی۔ آئی۔ جی فریدی کے دلائل سے مطمئن ہوا تھا یا نہیں۔ مگر اس نے اس سلسلے میں پھر کوئی بات نہیں کی۔ ڈی۔ ایس۔ پی سٹی نے حمید سے کچھ پوچھنا چاہا لیکن ڈی۔ آئی۔ جی نے اسے روک دیا۔ فریدی پر اسے بہت اعتماد تھا۔ اور وہ جانتا تھا کہ خواہ کچھ ہو فریدی اس کے اعتماد کو نہیں نہیں لگائے گا۔

جس دن گریٹا کی لاش ملی تھی اسی رات کو ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ جس کی اطلاع پولیس کو دوسرے دن صبح ہوئی۔ کو توالی میں حاضر ہونے والے شہر کے قبرستان کے محافظ تھے۔ انہوں نے بتایا کہ پچھلی رات چند نامعلوم آدمی قبرستان میں داخل ہوئے اور انہوں نے ایک قبر کھودنی شروع کی۔ یہ واقعہ محافظوں کے لئے حیرت انگیز تھا۔ وہ صورت حال کا جائزہ لینے کے لئے وہاں پہنچے تو کئی رافٹوں کی نالیں ان کی طرف اٹھ گئیں۔ ان سے کہا گیا کہ وہ خاموش رہیں ورنہ ان میں سے ایک بھی زندہ نہ رہ سکے گا۔

قبر کھود کر ان آدمیوں نے ایک لاش نکالی جس سے بدبو آرہی تھی۔ اُس کے بعد کا منظر محافظوں کے لئے اور زیادہ تحیر انگیز تھا۔ ان پراسرار آدمیوں میں سے ایک نے لاش سے بہت سا گوشت کاٹ کر ایک عجیب قسم کے برتن میں رکھا اور پھر وہ لوگ لاش کو وہیں پڑا چھوڑ کر چلے

گئے۔ محافظ جہاں تھے وہیں رہے۔ ان میں سے کسی نے بھی آگے بڑھنے کی ہمت نہیں کی۔

پولیس کے لئے یہ ایک حیرت انگیز اطلاع تھی۔ ادھر پولیس کا عملہ موقعہ واردات پر صورت حال کا جائزہ لے کر قبرستان سے نکلا اور ادھر سارے شہر میں سنسنی پھیل گئی۔ سنسنی پھیلنے کی وجہ یہ تھی کہ لاش پہچان لی گئی تھی۔ یہ ناخنوں والی وبا کے آخری شکار ڈاکٹر شرف کی لاش تھی۔

پولیس والوں کے لئے یہ واقعہ عجیب تھا۔ لیکن فریدی کے لئے اس سے بھی کچھ زیادہ.... جیسے ہی اسے اطلاع ملی وہ حمید کو ساتھ لے کر وہاں پہنچ گیا۔ لاش اب بھی قبر کے باہر پڑی ہوئی تھی اور بدبو کا یہ عالم تھا کہ ناک دینا محال! حمید تو لاش کے قریب بھی نہیں گیا۔ فریدی ناک پر رومال رکھے کئی منٹ تک اس پر جھکا رہا۔ پھر اس نے اس کے قریب ہی سے کوئی چیز اٹھائی اور الگ ہٹ آیا۔

”واقعی.... کو لہوں کا گوشت کانا گیا ہے۔“ اس نے حمید سے کہا اور چٹکی میں دبئی ہوئی چیز کو دیکھنے لگا۔ یہ کسی کے کف اسٹنڈ کا ایک حصہ تھا۔

”مگر اس کا مطلب کیا ہے۔“ حمید بولا۔ پھر اس نے جلدی سے کہا۔ ”اب چلے بھی یہاں سے.... کتنی بدبو ہے۔“

”ہاں چلو....!“ فریدی بے خیالی کے انداز میں بولا۔ وہ دونوں قبرستان سے نکل آئے۔ ”میں خود نہیں سمجھ سکا کہ اس کا کیا مطلب ہے۔“ فریدی نے طویل سانس لے کر کہا۔ مگر مجرم کافی ہوشیار معلوم ہوتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے محض ہمیں الجھانے کے لئے یہ حرکت کی ہو۔ بہر حال یہ بات تو ان پر واضح ہی ہو چکی ہے کہ میں گریٹر پر کسی قسم کا شبہ کر رہا تھا۔ ”اور گریٹر کے مر جانے کے بعد ہمارے سارے راستے مسدود ہو چکے ہیں۔“ حمید نے کہا۔

”فی الحال تو یہی صورت ہے۔“

”ارے...!“ دفعتاً حمید چونک کر بولا۔ ”آخر آپ پروفیسر داخ کو کیوں نظر انداز کر رہے ہیں۔“

”میں سب کو باری باری دیکھوں گا۔ ابھی وہ اینگلو انڈین بھی تو ہے۔ کیلبر مگر حمید.... ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔ آخر اس رات اسپرنگ کالج میں وہ دوسرا آدمی کون تھا۔“

”کس رات....!“

جب میں نے گریٹا کے سرٹیکٹ چرائے تھے۔ وہ بھی چوروں ہی کی طرح داخل ہوا تھا اور شاید اسے بھی کسی چیز کی تلاش تھی۔

”یہ چیز بھی کافی غور طلب ہے۔“ حمید نے کہا۔ ”اگر وہ مجرموں ہی سے کوئی تھا تو اس کا رویہ تحریف خیز کہا جاسکتا ہے۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ دونوں کیڈی میں بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہو گئے۔ حمید بھی کچھ سوچ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد فریدی بولا۔ ”گریٹا کی موت کے بعد میں نے ان رنگین کپسولوں کے لئے پورا مکان چھان مارا لیکن وہ نہ ملے۔“

”آخر آپ کو کپسول کا خط کیوں ہو گیا ہے۔“

”حمید صاحب! یہ مجھے اس کیس کی سب سے اہم کڑی معلوم ہوتی ہے۔ آج شام کو ڈی۔ آئی۔ جی صاحب کی موجودگی میں تمہیں ان کپسولوں کا تماشہ دکھاؤں گا۔“

”کیا آپ کا خیال ہے کہ زہر کو شراب تک پہنچانے کے لئے وہی کپسول استعمال کئے جاتے رہے ہیں۔“

”یہ بھی اور اس کے علاوہ بھی بہت کچھ.... بس شام ہی کو دیکھنا۔ تمہاری سانپوں والی حماقت کی بناء پر مجھے ڈی۔ آئی۔ جی صاحب کو بھی مطمئن کرنا ہے۔“

ایک جگہ فریدی نے کیڈی روک دی اور حمید سے اترنے کو کہا۔ پھر تھوڑی دیر بعد وہ ایک عمارت کے سامنے کھڑے ہوئے تھے جس کے دروازے پر پروفیسر داخ کے نام کی تختی لگی ہوئی تھی۔ فریدی نے گھنٹی بجائی۔ کافی دیر بعد خود پروفیسر ہی دروازہ کھولنے کے لئے آیا۔ حمید نے محسوس کیا کہ اس کا حلیہ ہی بدل گیا ہے۔ پروفیسر کی آنکھوں پر ورم تھا۔ بالکل ویسا ہی جیسا اکثر زیادہ رونے کی وجہ سے ہو جاتا ہے۔ آنکھوں میں گہری سرخی تھی اور ورم کی وجہ سے وہ سرخی کافی وحشت خیز معلوم ہوتی تھی۔

”کیا ہے....؟“ اس نے غصیلی آواز میں پوچھا۔

”اوہ کیا تم نے ہمیں پہچانا نہیں۔“ فریدی بولا۔

”نہیں....!“ پروفیسر نے سر کو جھٹکا دے کر کہا۔

اس پر فریدی نے نیا گرا ہوٹل سے ایک یادگار واپسی کا حال سنایا۔

”اوہ.... تو تم وہ ہو.... ساری مصیبتوں کی جڑ۔ میں اب تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ تم نے میری زندگی برباد کر دی۔“ داغ کا غصہ کچھ اور تیز ہو گیا تھا۔ اس کی آنکھیں انگاروں کی طرح دھک رہی تھیں۔ وہ چند لمحے فریدی کو گھورتا رہا اور پھر اس نے بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔

”کیا بات ہے پروفیسر.... تم کچھ پریشان نظر آ رہے ہو۔“ فریدی نے پھر نرم لہجے میں کہا۔  
 ”بہتر ہے چلے جاؤ۔ تم آدم کی جنت میں داخل ہو نیوالے سانپ۔ تم نے میرا سکون چھین لیا۔“  
 ”میں نے.... کیا کہہ رہے ہو۔ میں کچھ نہیں سمجھا۔“  
 ”کیا تم نے ہی مجھے گریٹا کے پیچھے نہیں لگایا تھا۔“ پروفیسر نے کہا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

”تو اس میں رونے کی کیا بات ہے.... پروفیسر....!“  
 ”میں روتا نہیں ہوں۔“ وہ غصیلی آواز میں چیخا اور آنسو پونچھتا ہوا لے پاؤں اندر بھاگ گیا۔  
 حمید نے حیرت کے اظہار میں اپنے شانوں کو جنبش دے کر فریدی کی طرف دیکھا۔  
 ”آؤ....“ فریدی آگے بڑھتا ہوا بولا۔ اور وہ دونوں اندر چلے گئے۔ یہاں ماحول کچھ گھٹا گھٹا تھا۔ راہداری دن کے اجالے میں بھی تاریک تھی اور معمولی پاور کالبلب اسے روشن کرنے میں ناکامیاب رہا تھا۔ جلد ہی وہ پروفیسر تک پہنچ گئے جو صوفے پر اوندھا پڑا پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔ وہ دونوں چپ چاپ کھڑے رہے۔

اچانک وہ اچھل کر مڑا اور پھر جلدی سے آنسو پونچھ ڈالے۔  
 ”جاؤ کیوں میرے پیچھے پڑے ہو.... وہ مر گئی۔“ اس نے چیخ کر کہا۔  
 ”آخر تم اتنے پریشان کیوں ہو۔“

”میں پاگل ہو گیا ہوں۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میں بھی مرنا چاہتا ہوں۔“  
 ”سو کھی ہوئی گھاس کے انبار میں تم نے ایک چنگاری ڈال کر اسے خاک سیاہ کر دیا۔ تم نے میری توجہ گریٹا کی طرف کیوں مبذول کرائی تھی۔“

”اوہ....!“ فریدی سنجیدگی سے بولا۔ ”تو تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ تمہیں اس دوران میں گریٹا سے محبت ہو گئی.... اور تم....!“

”چپ رہو! جاؤ یہاں سے۔ خدا کے لئے.... چلے جاؤ.... میں پاگل ہو گیا ہوں.... میری کسی بات پر اعتبار نہ کرنا۔ میرا ذہن میرے قابو میں نہیں۔ لیکن میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ اس کی موت کسی اتفاقیہ حادثے کا نتیجہ نہیں۔“

”یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو پروفیسر!....“

”دیکھو میں بتاتا ہوں.... مگر تمہیں اس سے کیا سروکار۔ جاؤ اب کوئی دوسری خوبصورت عورت تلاش کر لو۔ تمہیں گوشت ہی تو چاہئے.... جاؤ۔“

”پروفیسر شائد تم مجھے پہچانتے نہیں۔“ فریدی نے کہا اور جیب سے اپنا ملاقاتی کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

”اوہ....!“ پروفیسر بیک بیک سنجیدہ ہو گیا۔ ”تو تم پولیس آفیسر ہو۔“ وہ چند لمحے فریدی کے چہرے پر نظر جمائے رہا پھر بولا۔ ”تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟“

”تم نے ابھی ایک دعویٰ کیا تھا۔“

”مم.... میں....!“ پروفیسر ہکلا کر رہ گیا۔ اس کے چہرے کی رنگت کچھ اور بھیگی پڑ گئی تھی۔ ”ہاں پروفیسر! تم بہت ذہین آدمی ہو اور ایک ذہین آدمی کوئی بات بغیر دلیل نہیں کہتا.... آخر تم کس بناء پر....!“

”میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ میرا دماغ قابو میں نہیں۔“ پروفیسر نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”تو تم قانون کو دھوکا دینے کی کوشش کر رہے ہو۔“ فریدی بولا۔

پروفیسر نے اس کا کوئی جواب نہ دیا اور وہ بدستور سر جھکائے بیٹھا رہا۔

”نہیں پروفیسر ضرور بتائیں گے۔“ حمید نے لقمہ دیا۔

”سرٹیفکیٹوں کی چوری کا کیا مطلب ہے!“ دفعتاً پروفیسر نے فریدی سے سوال کیا۔

”یہ ابھی تک کسی کی سمجھ میں نہیں آسکا۔“

”ایک رات قبل اس کے سرٹیفکیٹ چوری ہوئے اور دوسری رات اُسے سانپ نے ڈس لیا۔“

”تفصیل رہنے دو۔“ فریدی جلدی سے بولا۔ ”آخر تم اسے اتفاقیہ حادثہ کیوں نہیں سمجھتے۔“

”بس یونہی! آخر سرٹیفکیٹ چرانے والے کے کس کام آئیں گے؟“

”پروفیسر! اس سے کام نہیں چلے گا۔ میں اس کی موت کے سلسلے میں تحقیقات کر رہا ہوں اور

مجھے بھی یقین ہے کہ یہ اتفاقیہ حادثہ نہیں۔ لیکن میرے پاس اس کے لئے بڑی ٹھوس دلیل ہے۔“

”اوہو! تو پھر اب مجھے کیوں پریشان کر رہے ہو۔“

”ممکن ہے تمہاری دلیل اس سے مختلف ہو اور میں مجرم تک اسی کے سہارے پہنچ جاؤں۔“

”ٹھہرو....!“ پروفیسر اپنا سر پکڑ کر بولا۔ ”تم نے مجھے بڑی الجھن میں ڈال دیا ہے۔ مجھے

سوچنے دو۔“

وہ چند لمحے خاموش بیٹھا رہا پھر اس نے کہا۔ ”کیا تم میری بات پر یقین کرو گے۔“

”یہ بات کی نوعیت پر منحصر ہے۔“ فریدی بولا۔

”فرض کرو! میں یہ کہوں کہ چوری والی رات کو میں بھی اسپرنگ کانچ میں موجود تھا۔“

”تم.... یعنی گریٹا کی موجودگی میں۔“

”نہیں.... اس وقت جب غالباً چور سرٹیفکیٹ تلاش کرتا پھر رہا تھا۔“

فریدی اسے گھورنے لگا۔ پھر اس نے پوچھا۔ ”کیا گریٹا کو تمہاری موجودگی کا علم تھا۔“

”نہیں.... میں اس سے آج تک ملا ہی نہیں۔“

”پھر تم وہاں کیا کرنے گئے تھے۔“

”میں بھی چوری ہی کی نیت سے گیا تھا۔“

”چوری کی نیت سے۔“ فریدی نے حیرت سے دہرایا۔

”ہاں میرا دماغ الٹ گیا ہے۔ ٹھہرو.... میں تمہیں وہ چیز دکھاتا ہوں جو میں نے وہاں سے

چرائی تھی۔“

پروفیسر انہیں وہیں چھوڑ کر کسی دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ فریدی اور حمید دونوں خاموشی

سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔

کچھ دیر بعد پروفیسر واپس آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک لفافہ تھا جسے فریدی کی طرف

بڑھاتے ہوئے اس نے کہا۔ ”میں نے یہ چرایا تھا۔ صرف یہی۔ کیا یہ پاگل پن نہیں۔ لیکن اس

لفافے میں مجھے ایک خط بھی ملا تھا۔ اسے پڑھو! یہی میرے دعویٰ کی دلیل ہے۔“

فریدی نے لفافے کو اپنے ہاتھ پر الٹ دیا۔ دو چیزیں اس کے اندر سے نکلیں۔ ایک تو گریٹا

کی تصویر تھی اور دوسری ایک ٹائپ کی ہوئی تحریر۔ فریدی نے اسے غور سے پڑھا اور پھر حمید کی

طرف بڑھا دیا۔ تحریر یہ تھی۔

”گریٹا! اپنی حرکتوں سے باز آ جاؤ ورنہ بڑی بے بسی کی موت نصیب ہوگی۔ اور دیکھنے سننے والے انگشت بدنداں رہ جائیں گے۔ یہ میری آخری وارننگ ہے۔“

”پی سی۔“

حمید نے سوالیہ نظروں سے فریدی کی طرف دیکھا۔

”تو تم اس تصویر کے لئے وہاں گئے تھے۔“ فریدی نے پروفیسر سے پوچھا۔

”اوہ ختم کرو۔“ پروفیسر جھنجھلا کر بولا۔ ”بار بار مجھے ذلیل نہ کرو۔ ہر آدمی میں کمزوریاں ہوتی ہیں۔“

”مگر پروفیسر تم اسپرنگ کاٹج میں داخل کس طرح ہوئے تھے۔“

”اوہ خدا.... کیا تم بھی پاگل ہو گئے ہو۔“ پروفیسر جھلا کر اپنے بال نوچتا ہوا بولا۔

”خیر اسے بھی چھوڑو۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”وہ آدمی کون تھا جس نے تم سے گریٹا

کی سفارش کے لئے کہا تھا۔“

”مجھے اس کا نام یاد آ گیا ہے۔“ پروفیسر نے کہا۔ ”لیکن اس سلسلے میں تم اس سے کیا

فائدہ اٹھا سکو گے۔“

”پروفیسر میں سوالات کے سیدھے سادے جواب چاہتا ہوں۔“ فریدی بولا۔

”مجھے یاد پڑتا ہے کہ وہ آدمی کیلیب ہی تھا۔“ پروفیسر اس طرح بڑبڑایا جیسے خود سے بات کر رہا ہو۔

”کیلیب....!“ حمید چونک پڑا۔

”خدا کی لئے! اب مجھے تنہا چھوڑ دو۔“ پروفیسر نے کہا۔

”بس ایک بات اور۔“ فریدی جیب سے نوٹ بک نکالتا ہوا بولا۔ ”کیلیب کا پتہ مجھے نوٹ

کرادو۔“

”تیرہ پرنسز اسٹریٹ۔“

”اچھا.... شکریہ۔“ فریدی میز سے لفافہ اٹھاتا ہوا بولا۔ ”میں اسے لئے جا رہا ہوں۔“

”ہرگز نہیں....!“ پروفیسر اچھل کر اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ ”تم تصویر نہیں لے جا سکتے۔“

”یہ نہ بھولو کہ تم اسے چرا کر لائے تھے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”تو لگاؤ تا میرے ہتھکڑیاں۔ سڑک پر لے جا کر ذلیل کرو۔ میں منع نہیں کرتا۔“  
فریدی نے لفافے سے تصویر نکال کر اُسے دے دی۔ پھر وہ اور حمید ہنسنے لگے۔ پروفیسر کے منہ سے گالیوں کا فوارہ چھوٹ پڑا۔

وہ دونوں ہنستے ہوئے باہر چلے گئے۔  
کیڈی میں بیٹھتے ہی ایک بار پھر حمید پر ہنسی کا دورہ پڑا۔  
”کیوں؟ کیا بات ہے!“

”سالے پر بڑھاپے میں عشق سوار ہوا ہے۔“  
”بڑھاپے میں اعصاب کمزور ہو جاتے ہیں اور عشق ایک کمزوری ہی کا نام ہے۔“ فریدی نے کہا۔  
کیڈی پر نرس اسٹریٹ کی طرف جارہی تھی۔ حمید بار بار پروفیسر داخ کی بدحواسی یاد کر کے ہنس رہا تھا۔

”چلو یہ مسئلہ بھی حل ہو گیا کہ اس رات میرے علاوہ اور کون تھا۔“ فریدی نے کہا۔  
”مگر ہے کتنی مضحکہ خیز بات۔“ حمید نے کہا۔ فریدی کچھ نہ بولا۔ اس کی پیشانی پر شکنیں ابھر آئی تھیں۔ پرنسز اسٹریٹ میں تیرہ نمبر کی عمارت کے سامنے کیڈی رک گئی۔ فریدی نے اپنا کارڈ اندر بھجوا دیا۔ انہیں زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑا۔ نوکر انہیں ایک کمرے میں لایا جہاں تین آدمی پہلے ہی سے موجود تھے۔ کیلب سامنے ہی بیٹھا تھا۔ حمید نے اسے پہچان لیا۔ بقیہ دو آدمی دیوار کی طرف منہ کئے کھڑے تھے لیکن جیسے ہی وہ ان کی طرف مڑے حمید کے منہ سے ایک تحیر آمیز آواز نکلی۔ یہ دونوں بھی کیلب ہی تھے یعنی اس کمرے میں ایک ہی صورت شکل کے تین آدمی موجود تھے۔

## چوتھا آدمی

فریدی نے ان تینوں کو غور سے دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔  
صوفے پر بیٹھا ہوا آدمی اٹھتا ہوا بولا۔ ”فرمائیے۔ میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔“  
”ہمیں مسٹر کیلب سے ملنا ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”کس مسٹر کیلپ سے؟“ اس نے خندہ پیشانی سے پوچھا۔ بقیہ دونوں ہم شکل بھی مسکرا رہے تھے۔ فریدی نے حمید کی طرف دیکھا اور حمید بے بسی سے سر ہلا کر کہنے لگا۔ ”مجھے پہلا نام معلوم نہیں۔“ ”یہ بڑی دشواری ہے۔“ پہلے نے کہا۔ ”ہم چار بھائی ہیں اور چاروں ہم شکل۔ ہم خود اکثر آپس میں دھوکا کھا جاتے ہیں۔ میرا نام ہارڈی کیلپ ہے۔ یہ مورینڈل کیلپ ہے اور یہ بیلنگر کیلپ ہے۔ چوتھے کا نام آسکر کیلپ ہے۔“

فریدی اور حمید نے پھر ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھا۔ پھر فریدی نے کہا۔ ”مجھے اس کیلپ سے ملنا ہے جس کے تعلقات گریٹا سیرانو سے تھے۔“ ”گریٹا سیرانو.... وہ رقاہ جسے سانپ نے ڈس لیا تھا۔“

فریدی نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بڑی تیزی سے تینوں کے چہروں پر نظر ڈالی۔ ”وہ میں تو نہیں ہو سکتا! وہ.... مگر بیلی اور مورین تم تو نہیں ہو۔“ دونوں ہم شکلوں نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دی۔ اس پر تیسرے نے کہا۔ ”تب تو وہ آسکر ہی ہو سکتا ہے مگر بات کیا ہے۔“ ”ہمیں گریٹا کے متعلق کچھ معلومات حاصل کرنی ہیں۔“ ”اوہ.... لیکن آسکر اس وقت موجود نہیں ہے۔“

”اچھی بات ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”وہ جب بھی آئے اُسے میرے آفس میں بھیج دینا۔ میں اپنا کارڈ چھوڑے جا رہا ہوں۔“

”آپ اپنا پیغام کارڈ کی پشت پر تحریر کر دیجئے ورنہ وہ کبھی یقین نہ کرے گا۔ یہی سمجھے گا کہ ہم اسے بیوقوف بنا رہے ہیں۔“

فریدی نے کارڈ لے کر اس کی پشت پر لکھ دیا۔ پھر وہ وہاں سے چلے آئے۔ دونوں ہی خاموش تھے اور واپسی پر راستے بھر خاموش ہی رہے۔ دراصل ان دونوں ہی کو ایک دوسرے کے ریمارک کا انتظار تھا۔

آخر حمید ہی بولا۔ ”یہ ایک ایسا حیرت انگیز واقعہ تھا کہ عقل حیران ہے۔“ ”مجھے حیرت نہیں ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”بعض اوقات اس قسم کی مشابہتیں دیکھی گئی ہیں اور پھر وہ تینوں گئے بھائی ہیں۔“

”مگر استاد کہیں میک اپ تو نہیں تھا۔“

”میں اس کے متعلق یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کمرے میں کچھ اس قسم کی روشنی تھی کہ میں کچھ سمجھ ہی نہیں سکا۔ یہ نیلے رنگ کی مرکری لائٹ بڑی فضول چیز ہے۔ بہر حال اتنا میں کہہ سکتا ہوں کہ اس کمرے کا ماحول کافی ڈرامائی انداز کا تھا۔ جب ہم پہنچے تو وہ دونوں دیوار کی طرف منہ کئے ہوئے کھڑے تھے اور تیسرے کا رخ دروازے کی طرف تھا۔ ہمارے داخل ہوتے ہی وہ دونوں اس طرح مڑے تھے جیسے ہمیں حیرت زدہ کرنا چاہتے ہوں۔“

”تو پھر ہمیں وہاں سے اس طرح چلے نہ آنا چاہئے تھا۔“ حمید نے کہا۔

”فکر نہ کرو۔“ فریدی بولا۔ ”یہ سب کچھ رائیگاں نہ جائے گا۔“

اُسی شام کو فریدی کے محکمے کا ڈی۔ آئی۔ جی اس کی استاد عا پر اس کی کوٹھی میں آیا۔ فریدی نے پہلے ہی سارے انتظامات مکمل کر رکھے تھے۔ اسے دراصل ڈی۔ آئی۔ جی کو اس بات کا یقین دلانا تھا کہ ناخنوں والی وبا کے سلسلے میں اس کا شبہ بے بنیاد نہیں تھا۔ اگر حمید نے سانپوں والی حرکت کر کے خود کو مشتبہ نہ کر لیا ہو تا تو شاید وہ ابھی اپنے شبہات کا اظہار نہ کرتا۔ اب اسے حمید کی پوزیشن بھی صاف کرنی تھی۔ حالانکہ اس کی استاد عا پر اس کے محکمے نے اس امر کا انتظام کر لیا تھا کہ گریٹا کی موت کے سلسلے میں حمید کا نام اخبارات میں نہ آنے پائے۔ لیکن پھر بھی اس کے آفیسر مطمئن نہیں تھے۔

ڈی۔ آئی۔ جی نے تجربہ گاہ میں پہنچ کر وہاں کے سائنسی آلات کو بڑی حیرت سے دیکھا اور پھر فریدی سے بولا۔ ”واقعی ایک مکمل لیبارٹری ہے۔ پھر بھلا بتاؤ تمہارے آگے کون ٹک سکتا ہے۔“

”ارے کیا میں اور کیا میری بساط۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”بس شوق ہی تو ہے۔“

پھر اس نے حمید کو اشارہ کیا۔ حمید نے آگے بڑھ کر الماری کھولی۔ اس میں سے شراب کی چند بوتلیں نکالیں۔ کچھ گلاس نکالے اور ایک سوڈے کا سائیفن.... ڈی۔ آئی۔ جی نے اس کی حرکت کو بڑی حیرت سے دیکھا اور جلدی سے بولا۔

”تم جانتے ہو کہ میں شراب نہیں پیتا۔“

”میں بھی نہیں پیتا۔ دراصل اس تجربے کے لئے شراب ضروری ہے۔“

حمید نے بوتلیں کھول کھول کر کئی گلاس بھرے۔ شرابیوں مختلف رنگوں کی تھیں کپسول

ڈی۔ آئی۔ جی کے سامنے رکھتا ہوا بولا۔ ”یہ گریٹا کے پاس تھے۔ یہ سب ایک ہی شیشی میں رکھے ہوئے تھے اور وہ شیشی اس کی موت کے بعد نہیں ملی۔ آپ سوچ رہے ہوں گے کہ یہ مجھ تک کیسے پہنچے۔“

فریدی ایک لمحے کے لئے رکا پھر اس نے اسپرنگ کاٹج میں تلاشی کی داستان دہرا دی لیکن یہ نہیں بتایا کہ گریٹا کے سرٹیفکیٹ اُسی نے اڑائے تھے۔

”لیکن یہ قطعی غیر قانونی اقدام تھا۔“ ڈی۔ آئی۔ جی بولا۔

”کبھی کبھی قانون کی حفاظت کے لئے انحراف بھی کرنا پڑتا ہے۔“

ڈی۔ آئی۔ جی کچھ نہ بولا۔ فریدی نے ایک کپسول اٹھا کر کہا۔ ”یہ کپسول سوڈا بائیکا رب ملے ہوئے پانی میں نہیں گھلتے۔ لیکن شراب میں سوڈے کی کتنی ہی زیادہ آمیزش کیوں نہ ہو یہ فوراً تحلیل ہو جاتے ہیں بالکل اسی طرح۔“ اس نے ایک گلاس میں سرخ رنگ کا کپسول ڈال دیا۔ شراب پانی کے رنگ کی تھی اس لئے کپسول کے گھٹنے کا عمل صاف دکھائی دیا۔ وہ شراب کی سطح پر تیرتا ہوا فوراً ہی تحلیل ہو گیا۔

”اب ادھر دیکھئے۔“ فریدی نے دوسرا کپسول خالص سوڈے کے گلاس میں ڈالتے ہوئے کہا۔ کپسول سوڈے کی سطح پر پڑا رہا۔ فریدی نے کہا۔ ”یہ کبھی نہیں گھلے گا۔ میں نے اسے سوڈے میں رات بھر ڈالے رکھا ہے۔ لیکن تحلیل ہونا تو درکنار اس میں ذرہ برابر نرمی بھی نہیں آئی۔“

”خالص پانی میں کیا کیفیت ہوتی ہے۔“ ڈی۔ آئی۔ جی نے پوچھا۔

”اُس میں بھی گھل جاتا ہے لیکن اتنی تیزی سے نہیں جتنی تیزی سے شراب میں تحلیل

ہوتا ہے۔“

”بڑی عجیب بات ہے۔“ ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔ ”حالانکہ کپسول کو ہر قسم کے سیال میں گھل جانا چاہئے۔ لیکن آخر یہ خالص سوڈے میں کیوں نہیں گھلتا۔ یہ ابھی تک اسی طرح موجود ہے۔ میرا خیال ہے کہ کپسول چاولوں کے اشارچ سے بنائے جاتے ہیں۔“

”جی ہاں.... لیکن یہ کپسول چاولوں سے نہیں بنائے گئے۔“

”پھر....!“

”خدا جانے! میں ابھی تک نہیں سمجھ سکا کہ یہ کس چیز سے بنائے گئے ہیں۔“

”اچھا! مگر ناخنوں والی دبا سے اس تجربے کا کیا تعلق۔“

”وہی عرض کرنے جا رہا ہوں۔“ فریدی نے کہا۔ ”اگر وہ دبا انسان کی لائی ہوئی ہے تو اس کی دوہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو اس کے لئے کوئی زہر استعمال کیا جاتا ہو گا یا پھر کسی خاص قسم کے جراثیم۔ بعض زہر بھی ایسے ہوتے ہیں جن کا نشان نہیں ملتا اور پوسٹ مارٹم بالکل بے کار ثابت ہوتا ہے۔ رہا جراثیم کا معاملہ تو مردہ جسم میں ان کی تلاش بڑی مشکل ثابت ہوتی ہے۔ کبھی کبھی اس کا نتیجہ بھی صفر ہی ہوتا ہے۔ بہر حال کہنے کا مطلب یہ ہے کہ خواہ وہ زہر ہو خواہ جراثیم ان کپسولوں میں رکھ کر انہیں بڑی آسانی سے شراب میں ڈالا جاسکتا ہے۔“

فریدی خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔ پھر چند لمحے بعد بولا۔ ”گریٹا کا وہ رقص میں نے دیکھا تھا۔ ڈاکٹر شرف کی میز پر زرد رنگ کی شراب تھی اور گریٹا کے ہاتھ میں زرد ہی رنگ کا ریشمی رومال تھا۔ جسے وہ رقص کے دوران میں اپنی شوخی کا مظاہرہ کرنے کے لئے تماشائیوں کے سروں پر ہلاتی جا رہی تھی۔ اب اگر زرد رنگ کا ایک کپسول زرد رنگ کے رومال سے نکل کر زرد ہی رنگ کی شراب میں جا پڑے تو کسی کو کیا پتہ چلے گا۔ بس تھوڑی سی ہاتھ کی صفائی چاہئے اور یہ تو آپ دیکھ ہی چکے ہیں کہ وہ شراب میں گرتے ہی اس طرح گھل جاتا ہے جیسے پانی میں برف کا ننھا سا ریزہ۔“

فریدی نے اپنے جیب سے زرد رنگ کا ایک رومال نکالا اور زرد رنگ کی شراب کا گلاس ڈی۔ آئی۔ جی کے سامنے رکھتا ہوا بولا۔ ”دیکھئے! میں زرد رنگ کا کپسول اس گلاس میں ڈالنے جا رہا ہوں۔ جیسے ہی یہ اس میں گرے مجھے بتا دیجئے گا۔“

فریدی نے بالکل اسی انداز میں زرد رنگ کے رومال کو ڈی۔ آئی۔ جی کے گرد گردش دی جیسے گریٹا رقص کے دوران میں دیا کرتی تھی۔ ڈی۔ آئی۔ جی بڑے غور سے گلاس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”کہئے! کپسول گرایا نہیں۔“ فریدی نے پوچھا۔

”میرا خیال ہے کہ ابھی نہیں۔“

فریدی نے ہاتھ روک لیا اور مسکرا کر بولا۔ ”جناب والا وہ پہلی ہی گردش میں پہنچ چکا ہے۔“

”مگر میں نے نہیں دیکھا۔“

”میں نے عرض کیا تھا کہ بس تھوڑی سی ہاتھ کی صفائی درکار ہے۔“

تھوڑی دیر کے لئے سنانا چھا گیا۔ پھر ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔

”حالانکہ ابھی تک معاملات میرے ذہن میں صاف نہیں ہوئے۔ مگر پھر بھی تمہاری بات پر یقین کرنے کو دل چاہتا ہے۔ کیونکہ اول تو یہ کہ یہ وبا اسی شہر میں کیوں محدود ہے۔ دوسری بات یہ کہ ابھی تک خاص ہی خاص آدمی اس کا شکار ہوئے ہیں۔“

”لیکن آپ یقین کیجئے کہ مجرم جلد ہی اپنی اس حماقت کا ازالہ کریں گے۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”اب آپ دو چار عام آدمیوں کو بھی اس وبا کا شکار ہوتے دیکھیں گے۔“ فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”وہ لوگ ہوشیار ہو گئے ہیں۔ کاش میں گریٹا کے معاملے میں احتیاط سے کام لیتا۔ ان کے ہوشیار ہو جانے کی سب سے بڑی دلیل یہی ہے کہ انہوں نے گریٹا کو ختم کر دیا۔“

”کیا تمہارے پاس ان تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ ہے۔“

”فی الحال.... کوئی نہیں.... البتہ میں اس آدمی کی تلاش میں ہوں جس نے سانپوں والے معاملے میں حمید کے خلاف شہادت دی تھی۔“

”اوہ.... ہاں.... وہ.... کوئی اینگلو انڈین تھا۔“

”جی ہاں کیلب....!“ فریدی نے کہا۔

حمید سوچ رہا تھا کہ فریدی ان تینوں ہم شکلوں کا تذکرہ ضرور کرے گا۔ مگر فریدی اس معاملے میں خاموش ہی رہا۔ یہ اس کی پرانی عادت تھی کہ کسی کیس کے دوران میں اپنے آفیسروں کو کبھی مکمل رپورٹ نہیں دیتا تھا۔

”اور ہاں! وہ ڈاکٹر شرف کی لاش کا معاملہ۔“ ڈی۔ آئی۔ جی بولا۔

”اس کے علاوہ.... اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ مجرم حالات کو پیچیدہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ورنہ سڑی ہوئی لاش سے گوشت کاٹنے کا اور کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ اب وہ یہ چاہتے ہیں کہ ہم خواہ مخواہ چکراتے رہیں۔“

”میں تم سے متفق ہوں۔“ ڈی۔ آئی۔ جی بولا۔

اس کے بعد ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ ڈی۔ آئی۔ جی کچھ دیر بیٹھ کر چلا گیا۔

حمید بہت زیادہ اکتایا ہوا نظر آ رہا تھا۔

اس نے کہا۔ ”آج رات میں باہر رہوں گا۔“

”ہرگز نہیں۔“ فریدی بولا۔ ”تم تنہا کہیں نہیں جاسکتے۔“

”بڑی مصیبت ہے۔“

”بکو اس مت کرو۔ مجھے تمہاری ایسی لاش سے بڑی گھن آئے گی جس کے سارے ناخن اٹھے

ہوئے ہوں.... سمجھے۔“

”مجھے اس کیس سے الجھن ہونے لگی ہے۔“ حمید نے کہا۔

”کیوں....؟“

”ابھی تک ہماری حیثیت محض تماشائیوں کی سی ہے۔ ایسے کیسوں میں میرا دل نہیں لگتا۔

مجھے منطقی دلائل اور ذہنی سراغ رسانی میں ذرہ برابر بھی لطف نہیں آتا۔“

”دھول دھپہ اور چیلنج بازی چاہتے ہو۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ”شاید آج کل جاسوسی

ناول زیادہ پڑھ رہے ہو۔ پولیس سے خواہ مخواہ الجھنے والے افراد حقیقی زندگی میں بہت کم ملتے ہیں۔

چالاک قسم کے مجرم ہمیشہ ایسے مواقع بچا جاتے ہیں۔ جیتی جاگتی دنیا سے بہرہ ایا آر سین لوپن کا

کوئی تعلق نہیں۔“

”نہ ہوگا.... لیکن جیتی جاگتی زندگی میں عورتیں تو ملتی ہیں۔ یہاں ایک تھی وہ بھی

صاف ہو گئی۔“

فریدی جھلا کر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ نوکر نے ایک کارڈ لا کر پیش کیا۔

”اوہ....!“ فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ پھر اس نے کارڈ حمید کی طرف بڑھا دیا جس پر ”آسکر

کیلیب ٹریولنگ ایجنٹ فار اسٹار انشورنس کمپنی“ تحریر تھا۔

وہ دونوں ڈرائنگ روم میں آئے اور یہاں انہیں ویسا ہی ایک چہرہ دکھائی دیا جیسے تین چہرے

وہ پرنسز اسٹریٹ کے ایک فلیٹ میں دیکھ چکے تھے۔ لیکن یہ آدمی کچھ مفلوک الحال سا معلوم ہو رہا

تھا۔ اس کے پتلون میں کریمز نہیں تھی۔ کوٹ میلا اور پرانا تھا۔ بالوں پر گرد جبی ہوئی تھی۔ ایسا

معلوم ہوتا تھا جیسے اس نے کوئی تھکادینے والا سفر کیا ہو۔

”مجھے آپ کا کارڈ ملا۔ پہلے میں آپ کے آفس گیا۔ وہاں سے آپ کا پتہ حاصل کر کے یہاں

تک پہنچا ہوں۔“ کیلیب خاموش ہو کر چند لمبے خوفزدہ نظروں سے فریدی کی طرف دیکھتا رہا پھر

بولا۔ ”میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں نے آج تک کوئی غیر قانونی بزنس نہیں کیا۔“

”ہوں...!“ فریدی نے اس کے چہرے پر نظریں جمادیں۔

”آپ یقین کیجئے.... میری کمپنی والے میری نیک چلنی کی ضمانت دیں گے۔“

”مگر تمہیں یہ خیال پیدا کیسے ہوا کہ میں.... مگر خیر.... کیا تمہیں یہ نہیں معلوم ہوا کہ

میں تم سے کیوں ملنا چاہتا ہوں۔“

”جی نہیں.... بھلا کیسے معلوم ہو سکتا تھا۔ آپ نے تحریر بھی تو نہیں کیا تھا۔ مگر سمجھ میں

نہیں آتا کہ آپ نے اپنا کارڈ میرے فلیٹ میں کیسے پہنچایا۔ وہ مجھے لکھنے کی میز پر رکھا ہوا ملا تھا۔“

فریدی نے معنی خیز نظروں سے حمید کی طرف دیکھا اور پھر کیلب سے بولا۔

”کیا تمہارے بھائیوں نے کچھ نہیں بتایا۔“

”بھائیوں....!“ کیلب آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ ”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“

”تمہارے فلیٹ میں تمہارے تینوں بھائیوں سے ملاقات ہوئی تھی۔“

”کیا فرما رہے ہیں آپ۔ میرا فلیٹ تو پچھلے ایک ماہ سے بند پڑا رہا ہے۔ میں دورے پر تھا

اور آج ہی واپس آیا ہوں۔ میرے کوئی بھائی وائی نہیں ہے اور آپ تین بھائیوں کا تذکرہ

کر رہے ہیں۔“

”اور وہ تینوں تمہارے ہم شکل تھے۔“

”آپ میرا مضحکہ اڑا رہے ہیں۔“ کیلب برا سامنہ بنا کر بولا۔

”اچھا تو پھر بتاؤ.... میرا کارڈ تمہاری میز تک کیسے پہنچا۔“

کیلب کچھ نہ بولا۔ وہ چند ہیائی ہوئی آنکھوں سے ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اس

نے گلا صاف کر کے کہا۔ ”دیکھئے میں اس فلیٹ میں دس برس سے تنہا مقیم ہوں۔ اس کی شہادت

میرے پڑوسی دے سکتے ہیں۔“

”تب پھر تمہارا نوکر ہی اس معاملے پر روشنی ڈال سکے گا۔“ فریدی بولا۔

”ارے جناب! آپ نہ جانے کیا کہہ رہے ہیں۔ میرے پاس کبھی کوئی نوکر نہیں رہا۔ میں

زیادہ تر دورے ہی پر رہتا ہوں۔ اس لئے آج تک نوکر رکھنے کی ضرورت ہی نہیں پیش آئی۔ آپ

میرے پڑوسیوں سے پوچھ سکتے ہیں اور وہ یہ بھی بتائیں گے کہ میرا فلیٹ پچھلے ایک ماہ سے مقفل

رہا ہے۔“

”ہوں....!“ فریدی کی پیشانی پر شکنیں ابھر آئیں اور اس نے پوچھا۔ ”تم گریٹا سیرانو سے کب سے واقف تھے۔“

”کون گریٹا سیرانو.... میں کسی گریٹا سیرانو سے واقف نہیں۔“ کیلب نے کہا۔

## دوسری گریٹا

کیلب کے بیان نے ایک نئی الجھن پیدا کر دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فریدی اور حمید کو ایک بار پھر پرنسز اسٹریٹ جانا پڑا۔ کیلب بھی ان کے ساتھ تھا۔

فریدی نے وہاں پوچھ گچھ شروع کی۔ کیلب کے پڑوسیوں نے اس بات کی تصدیق کر دی کہ اس کا فلیٹ پچھلے ایک ماہ سے مقفل رہا ہے۔ لیکن ایک بوڑھی عورت نے بتایا کہ صرف آج ہی صبح اُسے یہاں چند آدمی نظر آئے تھے ورنہ اس سے پہلے اُس نے بھی اس فلیٹ کو بند ہی دیکھا تھا۔

”کیا ان میں سے کوئی آدمی کیلب کی شکل کا بھی تھا۔“ فریدی نے پوچھا۔

”نہیں جناب.... کوئی بھی نہیں۔ لیکن وہ بھی اینگلو انڈین ہی تھے اور ان کے ساتھ ایک دیسی نوکر بھی تھا۔ پہلے میں سمجھی شائد مسٹر کیلب نے اپنا فلیٹ گکڑی لے کر اٹھا دیا ہے۔ یقیناً جاننے مجھے اس خیال سے بزار نہ ہوا۔ میں نے سوچا مسٹر کیلب کو کم از کم مجھ سے اس کا تذکرہ ضرور کرنا چاہئے تھا۔ میری لڑکی کو بھی ایک بڑے فلیٹ کی ضرورت تھی۔ آپ جانئے بال بچے والوں کے لئے چھوٹے فلیٹ تکلیف دہ ہو جاتے ہیں اور پھر اس کے تو گیارہ بچے ہیں۔ لیکن اس پر بھی خدا کا شکر ہے کہ وہ ایک بھینس کی طرح توانا اور تندرست ہے.... اور....!“

فریدی نے اُسے آگے نہ بڑھنے دیا۔ اُس سے پیچھا چھڑانے کے لئے وہ فوراً ہی دوسرے آدمی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ پھر اُسے جلد ہی اس قسم کی گفت و شنید کا سلسلہ بند کر دینا پڑا کیونکہ اب اُسے یہ ساری باتیں فضول معلوم ہونے لگی تھیں۔

”میں آپ کی موجودگی میں اپنی ایک ایک چیز دیکھنا چاہتا ہوں۔“ کیلب نے فریدی سے کہا۔

”پتہ نہیں وہ لوگ کون تھے اور یہاں کس نیت سے آئے تھے۔“

”ہاں.... آں.... ضرور دیکھ لو۔“ فریدی نے بے دلی سے کہا۔

وہ دونوں کیلب کے ساتھ اس کے فلیٹ میں آئے اور کیلب نے اپنے سامان کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ پھر آدھ گھنٹے کے بعد اس نے فریدی کو بتایا کہ سارا سامان موجود ہے۔ اس دوران میں فریدی کی عقابانی نظریں کو نے کھدرے تک میں ریگتی رہی تھیں۔

”میرا خیال ہے کہ مجھے اس واقعے کی رپورٹ کرنی چاہئے۔“ کیلب نے کہا۔  
 ”ضرور.... ضرور....!“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

حمید محسوس کر رہا تھا کہ فریدی اس معاملے میں دلچسپی نہیں لے رہا ہے۔  
 ”لیکن یہ تو آپ نے بتایا ہی نہیں کہ آپ مجھ سے کیوں ملنا چاہتے تھے۔“ کیلب نے فریدی سے پوچھا۔

”اوہ کچھ نہیں.... اب معاملہ صاف ہو گیا۔ چند نامعلوم آدمیوں نے تمہارے خلاف غلط فہمی پھیلائی تھی۔ اب تم بالکل مطمئن رہو۔ مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں۔“  
 ”آخر کس قسم کی شکایت تھی۔“

”قطعی غیر ضروری سوال ہے۔“ فریدی جھنجھلا کر بولا۔ ”اب جب کہ اس کا تمہاری ذات سے تعلق ہی نہیں تو تم خواہ مخواہ اپنا اور میرا وقت کیوں برباد کر رہے ہو۔“  
 پھر وہ دونوں کیلب کے فلیٹ سے نکل آئے۔

”اب کیا خیال ہے۔“ حمید نے کیڈی میں بیٹھتے ہوئے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔  
 ”یہ ایک بدترین قسم کی شکست ہے۔“ فریدی غرایا۔ ”اور اس کے لئے انہیں بہت جلد پائی پائی کا حساب دینا پڑے گا۔“

”آپ نے اس سے داغ کے متعلق کیوں نہیں پوچھا۔“ حمید بولا۔  
 ”اوہ.... جب وہ گریٹا ہی کو نہیں جانتا تو داغ کو کیا جانتا ہو گا۔“ فریدی نے کہا۔  
 ”لیکن اس حرکت سے مجرموں کا کیا مقصد ہے۔“

”اب تم نے ڈھنگ کی بات پوچھی ہے۔“ فریدی نے کیڈی اشارت کرتے ہوئے کہا۔  
 ”سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ مجرموں نے کیلب ہی کو آلہ کار کیوں بنایا۔ کیا اس لئے کہ وہ زیادہ تر شہر سے باہر رہتا ہے۔ چلو میں اسے بھی مانے لیتا ہوں۔ لیکن انہیں کیا معلوم کہ میں آج ہی کیلب سے ملنا چاہوں گا اور ہماری اس وقت کی تفتیش سے یہ بات بھی صاف ہو گئی کہ انہوں نے کیلب کا

فلیٹ صرف آج ہی استعمال کیا ہے۔ مگر کیوں؟ اس کا سر۔ کی مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ مجرم ہماری اسکیموں سے حیرت انگیز طور پر واقفیت رکھتے ہیں۔“

”غالباً آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ پروفیسر داخ بھی مجرموں کا شریک کار ہے۔“ حمید نے کہا۔  
 ”ہمیں کوئی پہلو نظر انداز نہ کرنا چاہئے۔“

”مگر مجھے یقین نہیں کہ داخ جیسے احمق کا اس میں ہاتھ ہو۔“ حمید نے کہا۔ ”اگر وہ مجرموں کا ساتھی ہوتا تو اسے کیلب کا نام لینے کی ضرورت ہی کیا تھی اور وہ آپ کو یہ کیوں بتاتا کہ ایک رات وہ بھی چوروں کی طرح اسپرنگ کالج میں داخل ہوا تھا۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر اس نے کہا۔ ”اس خط کا معہ بھی عجیب ہے۔“

”اوں...!“ فریدی چونک پڑا۔ ”کس خط کا۔“

”وہی جو پروفیسر نے دیا تھا۔“

”میں بھی اس کے متعلق غور کر رہا تھا۔“ فریدی بولا۔ ”خط لکھنے والا آخر اسے کن حرکتوں سے باز رکھنا چاہتا تھا.... اور یہ بھی بڑی عجیب بات ہے کہ وہ خط پروفیسر کے ہاتھ لگ گیا۔“  
 ”تو آپ پروفیسر ہی پر شبہ کر رہے ہیں۔“

”تمہیں آخر اس سے اتنی ہمدردی کیوں ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”محض اس لئے کہ وہ گریٹا سے پاگلوں کی طرح محبت کرتا تھا۔“

فریدی خاموش رہا۔ سردی آج پھر کچھ بڑھی ہوئی سی تھی۔ حمید پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ نہ جانے کیوں اس وقت اسے گریٹا بہت یاد آرہی تھی اور اس کا دل نہیں چاہتا تھا کہ وہ اسے کسی سازش میں ملوث کرے۔ فریدی کے دلائل اس کے ذہن نے ضرور قبول کر لئے تھے لیکن دل یہی کہتا تھا کہ فریدی سے غلطی بھی ہو سکتی ہے۔

”اب کہاں چل رہے ہیں۔“ اس نے فریدی سے پوچھا۔

”پروفیسر داخ کے گھر....!“

”کیوں....؟“

لیکن فریدی نے اس ”کیوں“ کا کوئی جواب نہ دیا۔

پروفیسر داخ کے مکان سے تقریباً ایک فرلانگ کے فاصلے پر کیدی روک دی گئی۔  
 ”کیا وہاں تک پیدل چلے گا۔“ حمید نے پوچھا۔

”غیر ضروری سوال نہ کیا کرو۔“ فریدی جھنجھلا گیا۔ نہ جانے کیوں اس کی چڑچڑاہٹ بڑھ گئی تھی۔  
 پروفیسر داخ کے مکان کا برآمدہ تاریک تھا۔ فریدی نے نارچ روشن کی۔ داخلے کا دروازہ کھلا  
 ہوا تھا۔ اس نے اطلاعی گھنٹی کے بٹن پر انگلی رکھ دی۔ گھنٹی کی ہلکی آواز مکان کے کسی دور افتادہ  
 حصے میں سنائی دی۔ تقریباً دو منٹ تک فریدی تھوڑی وقفے سے گھنٹی کا بٹن دباتا رہا لیکن کوئی بھی  
 باہر نہ آیا۔

”کیا بات ہے۔“ حمید تجر آئینز لہجے میں بڑبڑایا۔

فریدی نے کھلے ہوئے دروازے سے راہداری میں نارچ کی روشنی ڈالی اور پھر وہ دونوں اندر  
 داخل ہو گئے۔ عمارت میں چاروں طرف تاریکی کی حکمرانی تھی اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی  
 نے مکان کا سارا سامان الٹ پلٹ کر رکھ دیا ہو۔ انہوں نے یکے بعد دیگرے سارے کمرے روشن  
 کر دیئے۔

”آخر پروفیسر کہاں گیا اور یہ سب کیا ہے۔“ حمید نے کہا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ فرش پر بکھرے ہوئے سامان کو بڑے انہماک سے دیکھ رہا تھا۔  
 پھر اس نے پروفیسر کی تلاش شروع کر دی اور تھوڑی دیر بعد اس نے اسے پالیا۔ وہ میلے  
 کپڑوں کے ایک ڈھیر کے نیچے اونڈھا پڑا ہوا تھا۔

پروفیسر بیہوش تھا۔ اس کے چہرے پر تازہ خراشیں تھیں جن سے خون رس رہا تھا۔ سانس  
 رک رک کر آرہی تھی۔ حمید نے سوالیہ انداز میں فریدی کی طرف دیکھا۔  
 ”اسے اٹھا کر کھلی ہوائیں لے چلو۔ بیرونی برآمدہ بہتر ثابت ہوگا۔“ فریدی نے کہا۔ ”میں دو  
 ایک کبل تلاش کرتا ہوں۔“

حمید بے ہوش پروفیسر کو اٹھا کر برآمدے میں لایا۔

”اتنے ہوشیار لوگ.... کمال ہے۔“ فریدی بڑبڑایا اور اس نے چہرے کے علاوہ پروفیسر کا  
 سارا جسم کبلوں سے ڈھک دیا۔

”آخر اس خطی کا اس معاملے سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟“ حمید بولا۔

”غالباً انہیں کسی چیز کی تلاش تھی۔“

”کہیں وہ خط تو نہیں جو آپ آج ہی پروفیسر سے لے گئے تھے۔“

”نہیں! وہ خط قطعی فضول ہے۔ اس سے مجرموں کا کوئی سراغ نہیں مل سکتا۔ میری نظروں

میں تو اس کی کوئی اہمیت نہیں۔“

فریدی نے اسے ہوش میں لانے کے لئے چند تدبیریں اختیار کی تھیں جو آخر کار کامیاب

ہوئیں۔ پروفیسر پہلے تو بے سدھ پڑا بلکیں جھپکاتا رہا پھر یک بیک بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔

”اوہ..... تم.....!“ وہ فریدی کے اوپر گر کر کانپنے لگا۔

”کیا ہے.... کیا بات ہے۔“ فریدی آہستہ سے اسے اٹھاتا ہوا بولا۔

”کیا تم نے انہیں پکڑ لیا۔“ پروفیسر کے منہ سے کپکپاتی ہوئی آواز نکلی۔

”کس کی بات کر رہے ہو۔“

”وہ پانچ تھے۔ میں نہیں جانتا کہ وہ مجھ سے کیا چاہتے تھے۔ انہوں نے میرا گلا گھونٹ گھونٹ

کر مارا ہے۔“

”کیا تم انہیں پہچانتے ہو۔“

”مجھے سمجھوں کی آوازیں جانی پہچانی سی معلوم ہو رہی تھیں۔“ داخ نے بھرائی ہوئی آواز میں

کہا۔ ”لیکن انہوں نے اپنے چہرے چھپا رکھے تھے۔“

”آواز سے بھی نہیں پہچان سکے۔“ فریدی نے پوچھا۔

”میں گھبرا گیا تھا۔ میرا کبھی اس قسم کی چیزوں سے واسطہ نہیں پڑا۔ ایسے حالات میں جو بھی

ہو تا گھبرا جاتا۔ لیکن اس کا احساس ضرور تھا کہ ان کی آواز سے کان آشنا ہیں۔“

”انہوں نے تم سے کس چیز کا مطالبہ کیا تھا۔“

”کچھ بھی نہیں۔ بس آتے ہی جانوروں کی طرح ٹوٹ پڑے۔ جب تک جسم میں تاب رہی

ان کا مقابلہ کرتا رہا پھر مجھے کچھ نہیں معلوم کہ کیا ہوا۔“

”اچھا.... اندر چلو۔“ فریدی ہاتھ پکڑ کر اُسے اٹھاتا ہوا بولا۔

اندر آکر پروفیسر نے گھر کی حالت دیکھی تو جانوروں کی طرح شور مچانے لگا۔ بدقت تمام

انہوں نے اسے چپ کرایا۔ اس سلسلے میں ایک آدھ بار حمید کو اس کا منہ دبانا پڑا۔

”میں پاگل ہو جاؤں گا۔“ پروفیسر اپنے بال نوچتا ہوا بولا۔ ”آخر یہ سب کیوں ہو رہا ہے۔ میں ایک امن پسند شہری ہوں۔ میرا کسی سے کوئی جھگڑا نہیں۔“

”گريٹا کا عشق آسان نہیں پروفیسر۔“ حمید مسکرا کر بولا۔ ”اُس کے دوسرے عاشق بھی سوگ منار ہے ہیں۔“

”گریٹا....!“ دفعتاً پروفیسر اچھل پڑا۔ ”اس کا اس معاملے سے کیا تعلق۔“

”افسوس کہ تم سمجھ نہیں سکو گے ورنہ تمہیں جگر مراد آبادی کا ایک شعر سناتا۔“

”اونہ!“ فریدی حمید کے شانے پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔ ”آؤ چلیں۔“

”ہرگز نہیں۔“ پروفیسر اچھل کر ان کی راہ میں حائل ہو گیا۔ ”تم مجھے ان حالات میں تنہا نہیں چھوڑ سکتے۔“

”براہ راست پولیس سے مدد حاصل کرو۔“ فریدی نے کہا۔

”جتنی دیر میں پولیس.... آئے گی....!“

”اوہ.... بچے مت بنو پروفیسر....!“ فریدی نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔ ”اگر وہ تمہاری جان ہی لینا چاہتے تو پہلے ہی کیوں چھوڑ جاتے۔“

”ممکن ہے انہوں نے مجھے مردہ ہی سمجھ لیا ہو۔“

”پھر بھی میں کچھ نہیں کر سکتا۔“ فریدی نے کہا۔

”کیا اتنا بھی نہیں کر سکتے کہ مجھے اپنی کار میں بٹھا کر پولیس اسٹیشن پہنچا دو۔“

”چلو بابا....!“ فریدی جھلا کر بولا۔

پروفیسر نے مکان مقفل کر دیا.... اور کیڈی کو توالی کی طرف روانہ ہو گئی۔ فریدی پر اکتاہٹ اور جھلاہٹ دونوں بیک وقت مسلط ہو گئی تھیں۔ اتفاقاً راستے میں ایک پولیس پٹرول کار مل گئی فریدی نے اسے رکوا کر پروفیسر کو توالی تک پہنچانے کا انتظام کر لیا۔

”لیکن میں وہاں کہوں گا کیا....؟“ پروفیسر نے فریدی سے پوچھا۔

”یہی کہ تمہارے گھر میں چند نقاب پوشوں نے گھس کر تم پر حملہ کیا۔“ فریدی آہستہ سے بولا۔ ”اور ان میں سے ایک یقیناً کیلب تھا۔“

”کیلب....!“ پروفیسر دفعتاً اچھل کر اپنی رانیں پیٹتا ہوا بولا۔ ”خدا کی قسم! اب یاد آ گیا۔“

ایک آواز تو سوفیصد کیلیب ہی کی تھی۔ آفیسر میں لاکھوں کی شرط لگانے کو تیار ہوں۔“

”بس اب جاؤ۔“ فریدی اس کی پیٹھ تھپکتا ہوا بولا۔ ”نٹھے بچے! اب جاؤ۔“

پٹرول کار چلی گئی۔

وہ پھر کیڑی میں آ بیٹھے۔ حمید سردی سے کانپ رہا تھا۔ اس نے اپنے ٹھٹھرے ہوئے ہاتھوں

کو رگڑتے ہوئے کہا۔ ”جناب میں برف کا بھوت نہیں ہوں۔“

”کیا چاہتے ہو؟“

”موت یا گرم کافی کا ایک پیالہ۔“

”آر لکچو چل رہے ہیں۔“ فریدی بولا۔

”شکریہ! خدا آپ کا موڈ ہمیشہ ایسا ہی رکھے۔“

”فرزند! میں بہت اچھے موڈ میں نہیں ہوں۔“ فریدی زہر خند کے ساتھ بولا۔

”میں جانتا ہوں.... آپ کو چوٹ پر چوٹ ہو رہی ہے۔“

”لیکن اتنا سمجھ لو کہ وہ لوگ بُری طرح بوکھلائے ہوئے ہیں۔“

”ہوں گے۔“ حمید نے پائپ سلگا کر کہا۔ ”میرے ذہن میں صرف ایک سوال ہے۔“

”وہ کیا....؟“

”آخر ڈاکٹر شرف کی لاش قبر سے کیوں نکالی گئی۔“ حمید آہستہ سے بولا۔ ”اور پھر سڑی

ہوئی لاش سے گوشت کاٹنا کیا معنی رکھتا ہے۔“

”حمید صاحب! صرف یہی ایک چیز میرے ذہن میں بھی صاف نہیں ہے۔ پہلے میں نے

سوچا تھا ممکن ہے مجرموں نے ہمیں اور زیادہ الجھانے کے لئے یہ حرکت کی ہو۔ لیکن نہ جانے

کیوں اس پر یقین کرنے کو دل نہیں چاہتا۔“

”ہاں.... یہ تو بتائیے آخر آپ بچارے کیلیب کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں۔“ حمید نے کہا۔

”ظاہر ہے کہ پروفیسر کی رپورٹ پر پولیس اس کی خاصی مرمت کرے گی۔ وہ اس کیلیب تک تو

پہنچ نہ سکے گی جو حقیقتاً فساد کی جڑ ہے۔“

”اور تم اس کیلیب کو کیا سمجھتے ہو جس سے ہم ابھی مل کر آرہے ہیں۔“ فریدی نے مسکرا کر

پوچھا۔

”ایک شریف آدمی جو نادانستہ طور پر مجرموں کا آلہ کار بن گیا ہے۔“

حمید نے اس کے جواب میں ہنسی کی ہلکی سی آواز کے علاوہ اور کچھ نہیں سنا۔ اس نے بھی یہی مناسب سمجھا کہ اس بحث کو اس وقت تک کے لئے ملتوی ہی کر دے جب تک گرما گرم کافی کا ایک پیالہ نہ مل جائے۔

آر لکچو پہنچ کر وہ ایک کیمبن میں بیٹھ گئے۔ حمید نے اس خیال سے اس کا پردہ نہیں کھینچا کہ اس صورت میں وہ سامنے والے کیمبنوں میں نظارہ بازی نہ کر سکے گا۔ جہاں اُسے کئی خوبصورت لڑکیاں نظر آرہی تھیں۔

”یہ لڑکیاں سردیوں میں بھی حسین ہی رہتی ہیں۔“ اس نے فریدی سے کہا۔

پھر دفعتاً چوک کر بولا۔ ”اٹاخاب آر لکچو میں برقعے بھی دکھائی دینے لگے۔“

فریدی کی نظر سامنے اٹھ گئی۔ ایک عجیب قسم کا جوڑا سامنے والے کیمبن میں بیٹھ رہا تھا۔ ایک برقعہ پوش عورت اور ایک ایسا مرد جو سیاہ سوٹ میں ملبوس تھا لیکن اس کے چہرے پر بہت ہی شرعی قسم کی ڈاڑھی اور مونچھیں تھیں عورت نے بیٹھتے ہی نقاب الٹ دیا اور دوسرے ہی لمحے میں حمید نے فریدی کے بازو پر چھنا مارا۔

”خدا کی قسم....!“ اس کی آواز کانپ رہی تھی۔ ”میں سو رہا ہوں یا جاگ رہا ہوں۔“

”ہم دونوں اُلو ہو گئے ہیں۔“ فریدی آہستہ سے بولا۔ ”یہ عورت سو فیصدی گریٹا معلوم ہوتی ہے۔“

ڈاڑھی والے نے اٹھ کر اپنے کیمبن کا پردہ کھینچ دیا.... حمید کی سانس پھول رہی تھی۔

## خطرناک لمحات

حمید چند لمحے سکتے کے سے عالم میں رہا۔ پھر آہستہ سے بڑبڑایا۔

”آخر یہ سب کیا ہے۔“

”لوٹنا اپن....!“ فریدی بُرا سامنہ بنا کر بولا۔

”کیا مطلب....!“

”ہاں! میں غلط نہیں کہہ رہا ہوں۔ اب مجرموں نے اتنا تیز دوڑنا شروع کر دیا ہے کہ ذرا ہی سی لغزش انہیں منہ کے بل زمین پر لے آئے گی۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”بچے ہو! کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ گریٹا ہے۔ حمید میں سچ کہتا ہوں کہ یہ لوگ بہت بُری طرح بدحواس ہو چکے ہیں۔ اپنی دانست میں یہ مجھے شکست پر شکست دے رہے ہیں اور یہ بہت اچھا ہے۔ میں بھی چاہتا ہوں کہ یہ اس دھوکے میں رہیں۔“

”دیکھئے اب بہت زیادہ دور اندیشی سے کام نہ لیجئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمیں افسوس کرنا پڑے۔“

”کیوں....؟“ فریدی اُسے گھورنے لگا۔

”اب بھی دیکھئے آپ نے محض دور اندیشی کے چکر میں ان تینوں ہمشکلوں سے ہاتھ دھو لیا۔“

”اوہ.... تو کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں ان دونوں کو اسی وقت یہیں پکڑ لوں۔“

”میں تو یہی رائے دوں گا۔ ان کے ذریعہ ہمیں دوسروں کا بھی سراغ مل جائے گا۔“

”کیا تم یہ چاہتے ہو کہ لوگ ہم پر نہیں۔“

”آخر آپ کے ذہن میں کیا ہے؟“

”میرے ذہن میں کچھ بھی نہیں ہے۔ جو کچھ بھی ہے سامنے والے کیبن میں ہے۔ بیٹے حمید خاں اگر میں نے انہیں پکڑ لیا تو ہمارے آفیسر ہمیں ہنسی میں اڑا دیں گے۔“

”آخر کیوں.... وجہ بھی تو بتائیے۔“

”یہ دونوں بہرہ ور ہیں۔ اسے عورت نہ سمجھو۔ وہ ایک کمسن لڑکا ہے اور وہ ڈاڑھی والا اس کا باپ ہے۔ کچھ دنوں پہلے یہ دونوں ایک ریاست میں درباری مسخرے تھے۔ ریاستوں کے خاتے کے بعد ان کی روزی بھی ماری گئی۔ اب یہ شہروں کے رؤساء کے یہاں سزاگ بھر کر تھوڑا بہت کما کھاتے ہیں۔“

”آپ کو یقین ہے۔“

”یقین کے بغیر کچھ نہیں کہتا۔“

”لیکن اس حرکت کا مقصد۔“

فریدی نے فوراً ہی جواب نہیں دیا۔ وہ کسی سوچ میں پڑ گیا تھا۔ آخر اس نے کہا۔

”مقصد بھی سمجھا جاسکتا ہے بشرطیکہ ان کا تعاقب کیا جائے۔“

”تو پھر کیا جائے! حرج ہی کیا ہے۔“

”میں اسے ضروری نہیں سمجھتا۔“

”میں تو کروں گا۔“

”لیکن ہر لحظہ اس بات کا خیال رکھنا کہ یہ حرکت تم نے اپنی مرضی سے کی ہے۔“

”آپ فکر مت کیجئے۔“ حمید نے لاپرواہی سے کہا۔ ”مجھے دور اندیشی سے زیادہ دلچسپی نہیں۔“

حقیقت تو یہ ہے کہ فریدی کی اس برجستہ خیال آرائی پر حمید کو یقین نہیں آیا تھا۔ باپ اور بیٹے عورت اور مرد کے روپ میں۔ اس خیال پر اس کا دل چاہا کہ حلق پھاڑ پھاڑ کر قہقہے لگائے۔ اس نے تہیہ کر لیا کہ وہ دونوں کا تعاقب ضرور کرے گا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر وہ بہروپے ہی ہیں تو عورت کو برقعہ پہنانے کی کیا ضرورت تھی۔

تھوڑی دیر بعد اسی کیمبن میں ایک لڑکی اور داخل ہوئی۔ یہ بھی کافی دلکش تھی لیکن یہ برقعے میں نہیں تھی۔ حمید نے مسکرا کر فریدی کی طرف دیکھا۔

”یہ غالباً ان بہروپیوں کی دادی ہے۔“ اس نے طنزیہ انداز میں کہا۔

لیکن فریدی بے تعلقانہ انداز میں کافی پیتا رہا۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد کیمبن کا پردہ سر کا اور وہ لوگ باہر آئے۔ فریدی اس دوران میں کچھ اکتایا ہوا سا نظر آنے لگا۔

”اچھا یو ہارڈ شپ۔“ حمید بھی اٹھتا ہوا بولا۔ ”اب دیکھئے پردہ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔“

فریدی بھی مسکراتا ہوا اٹھ گیا۔ وہ دونوں بھی باہر آئے۔ ان کے شکار کمپاؤنڈ میں کھڑی ہوئی ایک لمبی سی کار میں بیٹھ رہے تھے۔

”تم ڈرائیو کرو گے۔“ فریدی نے حمید سے کہا۔ ”میں ذرا پچھلی سیٹ پر آرام سے بیٹھوں گا۔“

حمید نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ فریدی پچھلی سیٹ پر اس انداز میں نیم دراز ہو گیا جیسی بہت زیادہ تھک جانے کے بعد تھوڑی سی نیند لینا چاہتا ہو۔

لمبی کار سڑک پر نکل گئی۔ اُسے بعد میں آنے والی لڑکی ڈرائیو کر رہی تھی۔ اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے انہیں بہت جلدی میں کہیں پہنچنا ہے۔ تھوڑی ہی دیر بعد کار شہر سے نکل کر ایک ویران سڑک پر ہوئی۔ حمید نہ جانے کیوں اس وقت خود کو کسی فلم کا ہیرو تصور کر رہا تھا۔ اُس نے

کیڈی کی ہیڈ لائینس بھی بھجادی تھیں اور اسکی نظر اگلی کار کی عقبی سرخ روشنی پر جمی ہوئی تھی۔  
 یکایک اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ روشنی میں نہا گیا ہو۔ وہ بے ساختہ مڑا اور پھر اس کی عقل  
 منانے میں آگئی۔ کیڈی کے پیچھے تھوڑے ہی فاصلے پر ایک ہی لائن میں چھ عدد ہیڈ لائینس نظر  
 آرہی تھیں۔ یعنی تین کاریں برابر سے چلی آرہی تھیں اور انہوں نے سڑک کی پوری چوڑائی گھیر  
 رکھی تھی۔ حمید کے ہاتھوں کے طوطے اڑ کر کوؤں کی طرح کائیں کائیں کرنے لگے۔

اب یہ بات اس کی سمجھ میں آئی کہ فریدی کی باتوں کا کیا مطلب تھا۔

”بڑے باپ....!“ وہ کپکپائی ہوئی آواز میں چیخا۔ ”کیا سو گئے....!“

لیکن جیسے ہی اس نے پچھلی سیٹ پر نظر ڈالی رہی سہی جان بھی اٹھ گئی۔ کیونکہ سیٹ خالی  
 تھی۔ اگلی کار کافی دور نکل گئی تھی اور پچھلی کاریں گویا سر پر چڑھی آرہی تھیں۔ سڑک کے دونوں  
 طرف دور تک کھائیوں اور گڑھوں کے سلسلے تھے ورنہ وہ کیڈی کو داہنے یا بائیں موڑ کر بھی اس  
 پھندے سے اٹھ سکتا تھا۔ اس نے بدحواسی میں کیڈی کی ہیڈ لائینس روشن کر دیں اور روشنی کی  
 سیدھ میں نظر ڈالتے ہی اس کے رہے سہے حواس بھی جاتے رہے۔ کیونکہ اگلی کار رک کر سڑک  
 پر آڑی کھڑی ہو گئی تھی۔ اس طرح آگے کا راستہ بھی مسدود کر دیا گیا تھا۔

حمید کو یقین آ گیا کہ اب جان چھڑانی مشکل ہے۔ سب سے بڑی شامت تو یہ کہ اُس کے

پاس ریوالور بھی نہیں تھا۔

اس نے بڑی پھرتی سے بریک لگا کر انجن بند کیا اور ایک کھائی میں کود گیا۔ بیک وقت کئی فائر  
 ہوئے۔ اگر حمید کو ایک سیکنڈ کی بھی دیر ہوتی تو اس کا سارا جسم چھلنی ہو گیا ہوتا۔ وہ ڈھلوان میں  
 دوڑتا چلا گیا۔ وہ کئی آدمیوں کے دوڑنے کی آوازیں سن رہا تھا۔

”وہ رہا....!“ کسی نے چیخ کر کہا اور ساتھ ہی دو فائر ہوئے.... حمید بے تحاشہ دوڑتا رہا۔

اگر اس کے پاس ریوالور ہوتا تو شاید وہ کبھی اس طرح سر پر پیر رکھ کر نہ بھاگتا۔ پھر وہ ایک  
 جگہ سر کندوں کے جھنڈ میں الجھ کر گر پڑا.... اور ٹھیک اسی وقت کئی گولیاں ”شائیں شائیں“ کرتی  
 ہوئی اس کے اوپر سے گذر گئیں۔ حمید بدحواسی میں آگے ریگ گیا۔ سر کندوں سے کافی تیز قسم  
 کی کھڑکھڑاہٹ بلند ہوئی۔ حمید کو یقین ہو گیا کہ یہ اس کا آخری کارنامہ ہے اسے اس وقت نہ  
 فریدی پر غصہ تھا اور نہ اپنی حماقت پر افسوس۔

وہ سرکنڈوں میں رینگتا رہا اور پھر اس نے تھوڑے ہی فاصلے پر قدموں کی آہٹ سنی۔  
 ”ڈرو نہیں۔“ کسی نے انگریزی میں کہا۔ ”وہ نیبے معلوم ہوتے ہیں۔ ورنہ ضرور فائر کرتے!“  
 پھر دوسرے ہی لمحے میں کئی نارچوں کی روشنی اندھیرے کا سینہ چھلنی کرنے لگی۔  
 حمید جہاں تھا وہیں دیکھا رہا۔

”میرا خیال ہے کہ وہ کہیں قریب ہی ہیں۔“ کسی نے کہا۔ ”یہ دیکھو۔۔۔۔۔ یہ ٹوٹے ہوئے سرکنڈے۔ چلو یہاں کھڑے ہو کر سرکنڈوں میں فائر کرو۔“

حمید نے بدحواسی میں آگے کی طرف چھلانگ لگائی اور پھر اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کی کھال پھٹ جائے گی۔ وہ برف کے سے ٹھنڈے پانی میں غوطے کھا رہا تھا۔ شائد وہ کوئی تالاب تھا۔  
 چھ سات فائر بیک وقت ہوئے۔ حمید کے کانوں میں سیٹیاں سی بجنے لگی تھیں۔

پھر اُسے کچھ یاد نہیں کہ اس کے بعد کیا ہوا؟

لیکن جب اسے ہوش آیا تو اس تالاب کا پانی آرام دہ ہونے کی حد تک گرم ہو چکا تھا۔ اس کا ذہن جاگ پڑا تھا۔ مگر آنکھیں بند تھیں۔ اسے پورا جسم ایک دکھتا ہوا پھوڑا معلوم ہو رہا تھا۔ لیکن وہ گرمی کتنی آرام دہ تھی۔ اور پھر یک بیک اس کی آنکھیں کھل گئیں۔ اس نے اٹھنا چاہا لیکن کوئی وزنی چیز اس کے سینے سے آگئی۔ اس کے سر پر کھلے آسمان کی بجائے ایک سفید اور بے داغ چھت تھی اور وہ خود ایک مسہری پر کمبلوں سے ڈھکا ہوا تھا اور وہ لڑکی کتنی خوبصورت تھی جو اُس کے سینے پر ہاتھ رکھے اسے اٹھنے سے روک رہی تھی۔ حمید نے اسے پہلی ہی نظر میں پہچان لیا۔ یہ وہی لڑکی تھی جسے اس نے کچھ دیر قبل کارڈ رائیو کرتے دیکھا تھا۔ حمید کو ہوش میں آتے دیکھ کر اس نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی اور دوسرے ہی لمحے میں ایک آدمی کمرے میں داخل ہوا۔ اور اب تو حمید کو کوئی اٹھ بیٹھنے سے روک ہی نہیں سکتا تھا۔ اس کا منہ حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا۔ کیونکہ آنے والا کیلب تھا مفلوک الحال کیلب جس نے خود کو اسٹار انشورنس کمپنی کا ایجنٹ ظاہر کیا تھا۔ حمید نے اسے اس کے پھٹے پرانے لباس سے پہچانا۔ یہ وہی کیلب تھا جس نے کہا تھا کہ اس کا فلیٹ پچھلے ایک ماہ سے مقفل رہا ہے۔

”تمہیں حیرت ہے۔“ کیلب نے مسکرا کر کہا۔

حمید فوراً ہی سنبھل گیا۔ اُسے یقین تھا کہ اب وہ نہیں مر سکتا۔ جب وہ گولیوں کے طوفان

سے صحیح و سلامت نکل آیا تو اب اس عمارت کی دیواریں اس کا کیا بگاڑ سکتی تھیں اور پھر فریدی کا اس طرح اچانک غائب ہو جانا بھی مصلحت سے خالی نہیں معلوم ہوتا تھا۔

”جانتے ہو! تم اب تک کیوں زندہ ہو۔“ کیلب نے پوچھا۔

”محض اس لئے کہ ابھی تک میری شادی نہیں ہوئی۔“ حمید نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا اور لڑکی ہنسنے لگی۔

”فریدی گریٹا کے سرٹیفکیٹ کیوں لے گیا تھا۔“ کیلب نے پوچھا۔

”تاکہ اس کی موت کی تصدیق کی جاسکے۔“ حمید نے لاپرواہی سے کہا۔ ”بہتر تو یہی ہوتا کہ تم یہ سوال خود فریدی ہی سے کرتے۔ ویسے میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ اُسی رات کو پروفیسر داخ بھی اسپرنگ کالج میں گھسا تھا۔“

”اس کا تذکرہ چھوڑو.... جو میں پوچھتا ہوں اس کا جواب دو۔“

”اس کا جواب فریدی ہی سے مل سکے گا۔“

”یقین کرو کہ تمہیں محض اسی لئے زندہ رکھا گیا ہے کہ اگر تم اس کا تشفی بخش جواب دے دو تو تمہیں چھوڑ دیا جائے۔“

”کیا تم سچ کہہ رہے ہو۔“

”بالکل سچ....!“

”اچھا تو میرے ہاتھ میں ایک ریو اور دے کر مجھے اس عمارت سے نکال دو۔ میں دو سو گز کے فاصلے سے تمہیں اس کا جواب دے کر اپنی راہ لوں گا۔“

”بکو اس میں وقت نہ ضائع کرو۔“

”سنو دوست کیلب یا جو کچھ بھی تمہارا نام ہو۔ میں اتنا احمق نہیں ہوں کہ اس کا جواب دے کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاموش ہو جاؤں۔“

”تمہاری مرضی....!“ کیلب لاپرواہی سے اپنے شانوں کو جنبش دے کر بولا۔

”لیکن تمہاری موت بڑی عبرتناک ہوگی.... سمجھے۔“

”ابھی نہیں سمجھا.... سمجھنے کے لئے تھوڑا وقت چاہتا ہوں۔“

”اچھا یہی بتا دو کہ فریدی کہاں گیا۔“

”وہ میرے ساتھ تھے ہی نہیں۔“

”یہ بھی غلط ہے۔“

”غلط نہیں ہے.... وہ شہر میں ایک جگہ اتر گئے تھے اور انہوں نے مجھے بھی اس تعاقب سے باز رکھنا چاہا تھا.... لیکن.... میرا طریق کار ان سے الگ ہے۔“

کیلیب تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ”وہ بہت چالاک ہے۔ مگر کب تک.... تم نے ہمیں بھی دیکھ لیا۔ سچ کہنا کبھی ایسوں سے بھی سابقہ پڑا تھا۔“

حمید نے کوئی جواب نہ دیا وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ کمرے میں مکمل سکوت تھا۔ لیکن یہ سکوت جلد ہی ٹوٹ گیا۔ دو اینگلو انڈین کمرے میں داخل ہوئے۔

”کیا آگئے؟“ کیلیب نے ان سے پوچھا۔

ان دونوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

”اٹھو....!“ کیلیب نے حمید سے کہا۔

حمید بے چوں و چرا اٹھ گیا۔ وہ ایسی حالت میں کسی قسم کا جھگڑا نہیں مول لینا چاہتا تھا۔ کیلیب حمید کے آگے تھا اور دونوں اینگلو انڈین حمید کے پیچھے چل رہے تھے۔

وہ ایک بڑے کمرے میں آئے۔ حمید نے حیرت سے اس کمرے کے ساز و سامان کو دیکھا۔ یہ غالباً کسی سائنسٹ کی تجربہ گاہ تھی۔ چاروں طرف مختلف قسم کے آلات نظر آرہے تھے۔ ان میں سے بعض تو ایسے تھے جو آج تک حمید کی نظر سے نہیں گذرے تھے۔

اچانک سامنے والے دروازے کا پردہ ہٹا اور حمید کے منہ سے ایک تحیر زدہ سی چیخ نکل گئی۔ اس کے سامنے پروفیسر داخ کھڑا مسکرا رہا تھا۔

”کیوں! میں نے کیا کہا تھا۔“ اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ”میں نے کہا تھا اگر تم کچھوے کے بچے کی پیٹھ پر پوری قوت سے بھی کھڑے ہو جاؤ تو اسے گزند نہیں پہنچا سکتے۔“

حمید سکتے کے عالم میں چپ چاپ کھڑا رہا۔

”بولو.... تم خاموش کیوں ہو۔“ پروفیسر پھر بولا۔

حمید کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔ وہ بدستور خاموش کھڑا رہا۔

”تم یا فریدی جیسے کچھوے میری ذہانت سے نہیں ٹکرا سکتے۔ سمجھے۔“ پروفیسر کہتا رہا۔ ”میں

پروفیسر داخ! اس ناخنوں والی و باکا خالق ہوں۔“

”ناخنوں والی وبا....!“ حمید نے احمقوں کی طرح دہرایا۔

”ہاں! میں پروفیسر داخ۔ اس صدی کا سب سے بڑا مفکر اور سائنسٹ ہوں میں ایسی ایجادات کر سکتا ہوں اور چنگی بجاتے دنیا کے بڑے بڑے آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار سکتا ہوں۔ کیا تم نے اپنے ملک کے بعض چوٹی کے آدمیوں کو بے بسی کی موت مرتے نہیں دیکھا۔“

”لیکن تم نے انہیں مارا ہی کیوں۔“ حمید نے رک رک کر پوچھا۔

”محض اس لئے کہ میں ایشیاء کے سیاہ فام جانوروں کو ترقی کرتے نہیں دیکھ سکتا۔ تم صدیوں سے ہمارے غلام رہے ہو۔ ہم ت سبقت نہیں لے جاسکتے۔ میری زندگی کا سب سے بڑا مشن یہی ہے کہ میں تم جانوروں کو آدمی نہ بننے دوں سمجھے۔“

یک بیک حمید کو غصہ آگیا۔ اس نے گرج کر کہا۔ ”کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں تمہارے طریق کار سے واقف نہیں۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم کس طرح انہیں ہلاک کرتے رہے ہو۔“

”بھلا کس طرح....!“ داخ نے مسکرا کر کہا۔

”نگین کپسولوں کے ذریعہ۔ ایسے کپسول جو خالص سوڈا بائی کارب ملے ہوئے پانی میں نہیں گھلتے لیکن شراب میں فوراً ہی گھل جاتے ہیں۔ خواہ اس میں سوڈا ہی کیوں نہ ملا ہوا ہو۔“

پروفیسر کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

”اور بتاؤں....!“ حمید جوش میں بولا۔ ”تمہاری آج دن بھر کی قلابازیوں کا مقصد صرف یہی تھا کہ ہم لوگ بوکھلا جائیں اور پھر تم ہمیں گریٹا کی ایک ہم شکل کے پیچھے لگا کر پھانس لو۔ لیکن تم فریدی کو ہرگز دھوکا نہیں دے سکتے۔ وہ بہر حال تمہارے چوہے دان میں نہیں پھنس سکا۔“

”اس کے ناخن بھی بہت جلد کھڑے ہو جائیں گے۔“ پروفیسر مسکرا کر بولا۔

”فی الحال تم مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔“ پروفیسر نے ایک شیشے کے برتن سے ہانپو ڈر مک سرخ نکالی۔

## موت کے سائے

حمید کانپ کر رہ گیا۔ کمرے میں پروفیسر کے علاوہ آٹھ آدمی اور تھے اور سب کے سب

مسح! حمید کی خفیف سی جنبش پر بھی ان کے ہولسروں سے ریو اور نکل سکتے تھے۔ پروفیسر نے بڑے اطمینان سے سرخ میں انجکشن لگانے کی سوئی فٹ کی اور مسکراتا ہوا حمید کی طرف مڑا۔ اس وقت اس کے چہرے پر نہ تو پاگل پن کے آثار تھے اور نہ وہ حرکات و سکنات کے اعتبار سے کوئی جھکی قسم کا فلسفی معلوم ہو رہا ہو۔

”درومت....!“ اس نے حمید سے کہا۔ ”تمہارے بعد فریدی ہی کا نمبر آئے گا۔ تم دوسری دنیا میں تنہا نہیں رہو گے۔“

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ فریدی جیسے آدمی کا شاگرد تھا۔ وہ چوہوں کی طرح مرنا تو کسی حالت میں بھی قبول نہ کر سکتا تھا۔ اس نے قریب ہی کھڑے ہوئے ایک اینگلو انڈین پر چھلانگ لگائی لیکن قبل اس کے کہ وہ اس کے ہولسروں سے ریو اور نکالنے میں کامیاب ہوتا اس پر بیک وقت آٹھوں اینگلو انڈین ٹوٹ پڑے۔

”اوہو....!“ پروفیسر نے تہقہہ لگایا۔ ”تمہیں اب بھی یقین ہے کہ تم بچ کر نکل جاؤ گے۔“ حمید کو چار آدمیوں نے جکڑ رکھا تھا وہ ہانپتا ہوا چیخا۔ ”کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں ہاتھ پیر ہلائے بغیر مر جاؤں گا۔“

پروفیسر نے ایک طویل تہقہہ لگا کر کہا۔ ”اچھا اسے چھوڑ دو۔“ حمید چھوڑ دیا گیا اور پروفیسر بولا۔ ”خوب اچھی طرح ہاتھ پیر ہلاؤ۔ لیکن اس صورت میں پلک جھپکتے ہی تمہاری موت واقع ہو جائے گی اور تم وبا کی علامات سے بھی لطف اندوز نہ ہو سکو گے۔ ہاتھ پیر ہلانے سے دوران خون تیز ہو جائے گا اور اس وبا کے جراثیم حیرت انگیز قسم کی تیزی کے ساتھ تمہارے جسمانی نظام پر حاوی ہو جائیں گے۔“

حمید کچھ نہ بولا۔ پروفیسر نے ہاتھوں میں ربر کے دستانے پہنے اور شیشے کا ایک مرتبان اٹھاتا ہوا بولا۔

”ادھر دیکھو.... یہ رہی تمہاری موت۔“

مرتبان کے چوتھائی حصے میں گندے رنگ کا کوئی سیال نظر آرہا تھا۔ پروفیسر کہتا رہا۔ ”یہ وہ جراثیم ہیں جن کا خالق میں ہوں.... لڑکے! تمہیں ڈاکٹر شرف کی سڑی ہوئی لاش سے گوشت کاٹے جانے پر حیرت ضرور ہوگی۔“ وہ خاموش ہو کر مرتبان کا سیال سرخ میں کھینچنے لگا۔

کمرے پر قبرستان کی سی خاموشی مسلط تھی۔ حمید کو تو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے سر میں مغز کی بجائے پتھر کا ٹکڑا رکھا ہو۔ بقیہ لوگ اس سے کافی فاصلے پر کھڑے ہوئے تھے۔ لیکن اب اس میں اتنی سکت نہیں رہ گئی تھی کہ وہ دوبارہ رہائی کے لئے ہاتھ پیر مارتا۔ چند لمحوں کا یہ سنانا اس کی ذہنی حالت کے لئے بڑا خطرناک ثابت ہوا تھا۔ اس نے بڑی بے بسی کے عالم میں اپنے ہاتھ پیر ہلائے لیکن اس کی زبان نہ بل سکی۔

پروفیسر نے سرخ کو چہرے کے برابر اٹھا کر اس میں آئے ہوئے سیال کی مقدار دیکھی اور پھر حمید کی طرف دیکھ کر مسکرائے لگا۔ بالکل اسی انداز میں جیسے کوئی شفیق بزرگ کسی بچے کو اس کا پسندیدہ تحفہ دینے سے قبل مسکراتا ہے۔

”مجھے تم دونوں کا پہلے ہی انتظام کرنا چاہئے تھا۔“ اس نے کہا۔  
 ”تم مجھے نہیں مار سکتے۔“ دفعتاً حمید حلق پھاڑ کر چیخا۔

نہ وہ اس وقت خوفزدہ تھا اور نہ اسے زندگی ہی کی خواہش تھی۔ نہ وہ سو رہا تھا اور نہ جاگ رہا تھا۔ کچھ عجیب سی کیفیت تھی۔

”پھر کس طرح مار سکتا ہوں۔“ پروفیسر نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں پوچھا۔ پھر اس نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا۔ جنہوں نے آگے بڑھ کر حمید کو پکڑ لیا۔ اچانک حمید نے کسی شرابی کی طرح چلنا شروع کر دیا۔ چار آدمی اسے پکڑے ہوئے تھے لیکن وہ ان کے بس کا روگ نہیں معلوم ہوتا تھا۔

”زمین پر گراؤ۔“ پروفیسر کے لہجے میں بڑی سفاکی تھی۔

بقیہ چاروں بھی آگے بڑھے اور انہوں نے چند لمحوں کی جدوجہد کے بعد حمید کو گرا ہی لیا۔ پروفیسر سرخ سنبھالے ہوئے ان کی طرف بڑھا اور پھر وہ جھک کر حمید کے بازو میں اس خطرناک سیال کا انجکشن دینے ہی جا رہا تھا کہ اچانک سرخ اس کے ہاتھ سے اڑ گئی۔ کمرہ ایک فائر کی آواز سے جھنجھٹا اٹھا تھا۔ پروفیسر اچھل کر پیچھے ہٹ گیا اور اس کے منہ سے ایک موٹی سی گالی نکلی۔

فریدی ہاتھوں میں ایک ٹامی گن سنبھالے ہوئے دروازے میں کھڑا تھا۔

”الگ ہو! تم لوگ۔“ اس نے ان لوگوں کو مخاطب کیا جو حمید دبائے ہوئے تھے۔

ان میں سے ایک نے ریوالور نکالنا چاہا۔ لیکن ٹامی گن سے پے درپے تین چار گولیاں نکل کر

اس کے جسم میں پیوست ہو گئیں۔

”سب کا یہی حشر ہو گا۔“ فریدی نے سفاکانہ لہجے میں کہا۔ ”ورنہ میں جو کچھ کہوں کرتے جاؤ۔ نہیں پروفیسر اگر تم نے ذرا بھی جنبش کی تو تمہارا جسم چھلنی ہو جائے گا۔ اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ.... تم سب۔“

ساتواں اینگلو انڈین حمید کو چھوڑ کر ہٹ گئے۔

”اب تم سب ایک لائن میں کھڑے ہو جاؤ.... چلو! جلدی کرو۔ میں فی الحال تمہیں زندہ ہی رکھنا چاہتا ہوں۔“

”تم یہاں سے بچ کر نہیں نکل سکتے۔“ پروفیسر اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے غرایا۔

”حمید....!“ فریدی بولا۔ ”ان کے ہولسٹروں سے ریوالور نکال لو۔“

حمید چپ چاپ کھڑا پلکیں جھپک رہا تھا۔ فریدی کے مخاطب کرنے پر اس طرح چونکا جیسے ابھی تک بیہوش رہا ہو۔ وہ چند لمحوں پر پروفیسر اور اس کے آدمیوں کو گھورتا رہا۔ پھر دیوانوں کی طرح گالیاں بکتا ہوا ان کی طرف جھپٹا۔ اس نے جلدی جلدی ان کے ہولسٹر خالی کئے اور پھر یکایک اس نے پروفیسر کے گالوں پر تھپڑوں کی بارش کر دی۔

”ہٹ جاؤ.... حمید ہٹ جاؤ۔“ فریدی نے اُسے ڈانٹا۔ ”یہ بہت بڑا آدمی ہے۔ میں اس کی

لاف و گداز سن چکا ہوں۔ اس لئے اس کے ساتھ بہت ہی شاہانہ قسم کا برتاؤ کروں گا۔“

”آپ وقت برباد کر رہے ہیں۔“ حمید چیخ کر بولا۔

”کچھ نہیں.... بس سامنے سے ہٹ جاؤ۔“

حمید چپ چاپ پیچھے کھسک آیا۔ لیکن وہ اب فریدی کو خونخوار نظروں سے گھورنے لگا تھا۔

”پروفیسر....!“ فریدی نے داغ کو مخاطب کیا۔ ”تم بہت چالاک ہو۔ تم نے ہمیں پھانسنے

کے لئے بڑا عمدہ نقشہ مرتب کیا تھا مگر افسوس تم سے بچنا سرزد ہو گیا۔ تمہاری آخری حرکت یوں کھل گئی تم نے ان بہر دیوں سے مدد حاصل کی جن کی سات پشتوں سے میں واقف تھا۔ گرینا کو تو تمہیں درمیان میں لانا ہی نہ چاہئے تھا۔ اس قسم کی حرکتیں صرف جاسوسی نادلوں ہی میں عجیب معلوم ہوتی ہیں۔ جیتی جاگتی دنیا میں ان کا وجود مسخرہ پن ہے اور ہاں.... تم ابھی حمید پر اپنی اس

ایجاد کار عب ڈالنے کی کوشش کر رہے تھے کیا یہ حقیقتاً تمہاری ایجاد ہے۔“

”ہاں میری ایجاد ہے۔“ پروفیسر غرایا۔ ”اسن کے چہرے پر خوف کے آثار نہیں تھے۔“

”ایجاد نہ کہو.... البتہ دریافت کہہ سکتے ہو۔“

”دریافت! کیا مطلب....!“

”ہاں.... یہ تمہاری دریافت ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”اور میں اسے ریسرچ کہوں گا۔ البتہ تمہارا یہ کارنامہ ضرور لائق ستائش ہے کہ تم نے ان جراثیم کو سوڈا بائیکارب ملے ہوئے پانی میں زندہ رکھنے کا طریقہ معلوم کر لیا ہے ورنہ یہ جراثیم صرف سڑے ہوئے انسانی گوشت میں زندہ رہ سکتے ہیں اور اسی میں پیدا بھی ہوتے ہیں۔“

”تم کیسے جانتے ہو۔“ پروفیسر بھرائی ہوئی آواز میں چیخا۔ نامی گن سے زیادہ فریدی کے یہ الفاظ اس پر اثر انداز ہوئے تھے اور یک ایک اس کا چہرہ پیلا پڑ گیا تھا۔

فریدی نے مسکراتے ہوئے گفتگو جاری رکھی اور اسی کی مناسبت سے تم نے ایسے کپسول بنائے جو سوڈا بائیکارب ملے ہوئے پانی میں گھل نہ سکیں۔ تم ان جراثیم کو انہیں کپسولوں میں رکھ کر شراب کے گلاسوں میں ڈلوادیتے تھے.... اور پھر وہ کپسول شراب میں گھل جاتے تھے۔ شراب میں چونکہ سوڈے کی آمیزش بھی کی جاتی ہے اس لئے جراثیم اس میں زندہ رہتے ہیں۔ سوڈا بائیکارب کی وجہ سے ان پراسپرٹ کی تیزی بھی اثر انداز نہیں ہوتی اور وہ اپنا کام کر جاتے ہیں۔“

”تم کیسے جانتے ہو۔“ پروفیسر پھر چیخا۔

”ہاں تمہیں ایک سیاہ نسل کے جانور سے اس کی توقع نہ ہوگی۔“ اس نے ہنس کر کہا۔ ”لیکن

تم سفید نسل کے سوروں کو یہ بات نہ بھولنی چاہئے کہ اب ہمارا زمانہ آ رہا ہے۔“

”کبھی نہیں.... کبھی نہیں۔“ پروفیسر حلق پھاڑ کر چیخا۔ ”ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔“

”مگر تم سفید نسل کے سوروں! بڑے بے ایمان ہو۔ تم ان جراثیم کو اپنی ایجاد کہہ رہے ہو اچھا سنو! سیاہ نسل کا ایک جانور تمہیں ان جراثیم کی تاریخ بتاتا ہے.... جو افریقہ کے زولو لینڈ سے شروع ہوتی ہے۔ زولو لینڈ کی وہ جنگ یاد کرو جو زولو لینڈ کے بادشاہ ہڈے کے لڑکوں کے درمیان ہوئی تھی۔ انیسویں صدی کی بات ہے بہت زبردست کشت و خون ہوا تھا۔ مہینوں تک ہزاروں لاشیں میدانوں اور گڑھوں میں سڑتی رہی تھیں اور پھر وہ دن یاد کرو جب پادری میکائل کی تبلیغی پارٹی آدمی کی اس بے وقعتی کا منظر دیکھنے کے لئے سڑی ہوئی لاشوں کے درمیان سے

گذری تھی۔ اس کے تین آدمیوں کا کیا حشر ہوا تھا۔ کیا ان پر اس وبا کا حملہ نہیں ہوا تھا۔ ناخنوں والی وبا کا حملہ.... پادری میکائیل ڈاکٹر بھی تھا۔ اس نے اس سلسلے میں تحقیقات شروع کیں اور اس نتیجے پر پہنچا کہ وہاں اگنے والی ایک خاص قسم کی گھاس انسان کے سڑے ہوئے گوشت سے مل کر ایسے نتائج پیدا کرتی ہے۔ اس دریافت کا سہرا دراصل پادری میکائیل ہی کے سر ہے۔ اس کے بعد پھر شائد تم نے ہی جدید طریقوں پر نئے سرے سے تحقیق کی ہے۔ سمجھے پروفیسر! تم جیسے ذہین آدمی کو اتنے چھپوڑے پن کا مظاہرہ نہ کرنا چاہئے۔ پادری میکائیل کے کارنامے پر اس طرح ڈاکہ ڈالنا ٹھیک نہیں۔“

پروفیسر کچھ نہ بولا۔ اس کا چہرہ تاریک ہو گیا تھا۔ فریدی چند لمحے خاموش رہ کر بولا۔ ”تم نے اپنا آج کا نقشہ بڑی ذہانت سے مرتب کیا تھا۔ لیکن اسی کے ساتھ ہی ساتھ ایک نقشہ میرے ذہن میں بھی مرتب ہو رہا تھا.... اور اسی کے نتیجے میں تم مجھے یہاں دیکھ رہے ہو ورنہ بھلا میں اس عمارت تک کیسے پہنچ سکتا۔ یہ عمارت جو یہاں جنگل میں محض اس لئے بنائی گئی تھی کہ یہاں جڑی بوٹیوں کی تحقیقات کا کام ہو گا اور یہ بات مجھے آج ہی معلوم ہوئی کہ اس عمارت سے تمہارا اتنا گہرا تعلق ہے۔ اور پروفیسر میں یہاں تک تمہاری ہی کار میں آیا ہوں۔“

”تم جھوٹے....!“ پروفیسر نے کہا۔

”ہاں پروفیسر.... یقین مانو۔ میں شہر سے باہر نکلا ہی نہیں۔ میں شہر ہی میں اپنی کار سے اتر گیا۔ اس طرح کہ حمید کو اس کا علم نہ ہو سکا۔ پھر سب سے پہلے میں نے یہ کیا کہ تمہیں کو توالی میں دو گھنٹے تک رکوائے رکھا اور اس دوران میں میں نے اپنے انتظامات مکمل کر لئے۔ پھر میرے لئے یہ کیا مشکل تھا کہ میں اس کار کی اسٹینی کھول کر اس میں بیٹھ جاتا جو پرسنل کے چوراہے پر تمہارا انتظار کر رہی تھی۔ میں جانتا تھا پروفیسر کہ حمید پکڑ لیا گیا ہو گا اور تم کو توالی سے فرصت پا کر سیدھے وہیں جاؤ گے جہاں حمید کو رکھا گیا ہو گا لیکن پروفیسر اگر تمہیں یہ معلوم ہوتا کہ فریدی نہیں پکڑا جا سکا تو تم ادھر کبھی نہ آتے۔ افسوس! مجھے افسوس ہے کہ تم اپنی ایک حماقت کی بناء پر یہ دن دیکھ رہے ہو۔ تم نے خود ہی نیا گرا کے میجر سے گریٹا کی سفارش کر کے غلطی کی تھی۔ یہ کام تمہیں کسی اور سے لینا چاہئے تھا۔“

اچانک پھر فریدی کی ٹامی گن سے تین گولیاں نکل کر ایک اینگلو انڈین کے جسم میں پیوست

ہو گئیں اور وہ بے جان ہو کر گر پڑا۔ دراصل اس کا ایک ہاتھ نیچے لڑ گیا تھا۔

”تم سب اس بات کا خیال رکھو۔“ فریدی نے لا پرواہی سے کہا۔ پھر پروفیسر سے بولا۔  
 ”پروفیسر میں اب بھی تمہاری جان لینا نہیں چاہتا۔ البتہ تم سے ایک سودا ضرور کروں گا۔ اگر تم  
 نے میرا کہنا مان لیا تو میں تمہیں یہاں سے نکل جانے دوں گا۔“

”کیسا سودا....!“ پروفیسر نے جلدی سے پوچھا۔

”میں تم سے اپنے لئے ایک سرٹیفکیٹ چاہتا ہوں۔“ فریدی نے کہا۔

”سرٹیفکیٹ.... کیا مطلب۔“

”بس تم مجھے یہ لکھ کر دے دو کہ ناخنوں والی وبا کے سلسلے میں جو تحقیقات فریدی نے کی ہیں  
 میں اُن سے متفق اور مطمئن ہوں اور فریدی ایک اچھا ماہر جراثیم بھی ہے۔ اس نے ان جراثیم کی  
 پیدائش کا جو طریقہ ایجاد کیا ہے وہ حیرت انگیز اور ایشیاء والوں کے لئے قابل فخر ہے۔“

”اس سے تمہارا مقصد کیا ہے۔“ پروفیسر نے پوچھا۔

”کچھ نہیں! بس تم اپنی اس ایجاد سے میرے حق میں دست بردار ہو جاؤ۔ بس اسے ایک  
 طرح کی رشوت سمجھ لو جس کے عوض تم چھوڑ دیئے جاؤ گے۔“

”ہرگز نہیں.... ہرگز نہیں....!“ پروفیسر بڑبڑایا۔

دونوں میں تقریباً پندرہ منٹ تک اسی کے متعلق بحث ہوتی رہی۔ پھر پروفیسر کچھ سوچنے  
 لگا۔ دو تین منٹ غور کرنے کے بعد وہ اس پر تیار ہو گیا۔

”اچھا حمید....!“ فریدی نے حمید کو مخاطب کیا۔ ”تم میری جیب سے فاؤنٹین پن اور  
 دستاویزی کاغذ نکال کر پروفیسر کو دے دو۔“

”کیا سچ مچ۔“ حمید بوکھلا کر بولا۔ ”آپ ہوش میں ہیں یا نہیں۔“

”بکو اس مت کرو۔“ فریدی بگڑ گیا۔ ”تم کیا جانو! میں اس دریافت کو دوسری شکل دے کر  
 لاکھوں روپے کمالوں گا۔“

حمید نے چپ چاپ اس کے حکم کی تعمیل کر دی۔ لیکن وہ دل ہی دل میں فریدی کو برا بھلا  
 کہہ رہا تھا۔ وہ ایک ایسے آدمی کو چھوڑنے جا رہا تھا جس نے کچھ دیر قبل اس کی جان لینے کی سفاکانہ  
 کوشش کی تھی۔

پروفیسر نے کاغذ پر لکھنے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔۔۔ اور پھر رک کر کچھ سوچنے لگا۔ اس نے ایک بار پھر فریدی کی طرف اشتباہ آمیز نظروں سے دیکھا۔  
 ”چلو۔۔۔ لکھ بھی دو۔۔۔ پروفیسر۔۔۔ ورنہ پھر ہتھکڑیوں کا بوجھ سنبھالنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔“ فریدی نے کہا۔

پروفیسر بادل ناخواستہ لکھنے لگا۔

ابھی اس نے ایک سطر بھی پوری نہیں کی تھی کہ فاؤنٹین پن ایک زور دار دھماکے کے ساتھ پھٹ گیا۔ ساتھ ہی ایک بہت تیز قسم کی روشنی کا کوند سا پروفیسر کے چہرے کے قریب لپکا اور اس نے چیخ کر اپنے دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھ لئے۔

ایک اینگلو انڈین پھر فریدی کی طرف جھپٹا لیکن اُسے بھی اپنے دو ساتھیوں کے پاس پہنچ جانا پڑا۔ فریدی کے چہرے پر اس وقت بلا کی درندگی اور بہمیت طاری تھی۔

دفعۃً پروفیسر حلق پھاڑ کر چیخنے لگا۔ ”مجھے کچھ نہیں دکھائی دیتا۔۔۔ اندھیرا۔۔۔ اندھیرا۔۔۔ فریدی۔۔۔ سور۔۔۔ حرام زادے۔۔۔ تو نے مجھے اندھا کر دیا۔“

”تم کچھ دیر پہلے بہت اچھے موڈ میں تھے پروفیسر۔“ فریدی طنز آمیز لہجے میں بولا۔

”میں نے کہا ذرا میں بھی تمہیں اپنی ایک حقیر سی ایجاد کا نمونہ دکھا دوں۔ یہ صرف ایک گھنٹے کی محنت کا نتیجہ تھا۔ اگر تھوڑا وقت اور دیتا تو تمہاری آنے والی نسلیں تک اندھی ہو جاتیں۔“ پھر اس نے حمید سے کہا۔ ”اس الماری کے پیچھے ہتھکڑیوں کے جوڑے ہیں ان پانچ شریف آدمیوں کو ان کی ضرورت ہے۔“

پروفیسر میز پر سر اور اندھائے خاموشی سے بیٹھا تھا۔

جب حمید ان پانچوں کے ہتھکڑیاں لگا چکا تو اس نے فریدی سے کہا۔ ”یہاں ایک لڑکی بھی تھی۔“

”لڑکی۔۔۔!“ فریدی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ ”شائد قبر میں بھی تمہیں اس کا خیال ستاتا

رہتا۔ وہ لڑکی دوسرے کمرے میں بیہوش پڑی ہے۔“

دفعۃً پروفیسر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے کی کوشش

کر رہا تھا۔ ایک بار پھر اس کے منہ سے فریدی کے لئے گالیوں کا طوفان اٹھ پڑا۔۔۔ اور فریدی قہقہے

لگاتا رہا۔ اس نے کہا۔ ”پروفیسر! کچھ دیر پہلے تم نے ایک ایسے آدمی کی جان لینے کی کوشش کی تھی

جسے میں بہت عزیز رکھتا ہوں۔ اب تم اندھیرے میں بھٹکتے رہو۔ یہی تمہاری سزا ہے۔ میں تمہیں یہاں تنہا چھوڑ جاؤں گا۔ پولیس کو تو کیلب کی تلاش ہے میں اسے اپنے ساتھ لئے جا رہا ہوں۔ تمہاری اسکیموں کو وہی عملی جامہ پہناتا تھا اور میں جانتا ہوں کہ وہ ایک جنگ باز ملک کا ایجنٹ ہے۔ ایک ایسے ملک کا ایجنٹ جو ایشیا کو مفلوک کر دینا چاہتا ہے۔ جو یہ چاہتا ہے کہ ایشیا کبھی اپنے پیروں پر نہ کھڑا ہو سکے۔

پروفیسر نے پاگلوں کی طرح چیخنا شروع کر دیا تھا۔ پھر وہ دیوانہ وار ایک طرف بڑھا۔ ایک میز الٹ گئی۔ شیشے کے کئی بڑے آلات فرش پر گر کر چور چور ہو گئے۔

پروفیسر اٹھ کر دوسری میز پر جا پڑا۔ اسی میز پر جراثیم والا مرتبان بھی تھا۔ مرتبان الٹ گیا اور پروفیسر کے چہرے پر جراثیم ملا ہوا سیال پھیل گیا۔ اس کے منہ سے ایک خوفناک چیخ نکلی اور وہ اچھل کر دیوار سے ٹکرا گیا۔ اس کی آخری چیخ بڑی ہولناک تھی۔ وہ دو تین منٹ تک فرش پر تڑپتا رہا۔ پھر اس کے ہاتھ پیر اٹھ گئے۔ اس کے ناخن انگلیوں کا گوشت چھوڑ چکے تھے۔ ویران آنکھیں چھت پر لگی ہوئی تھیں۔ منہ کھل گیا تھا اور اُس کا چہرہ کسی مردہ بندر کا چہرہ معلوم ہونے لگا تھا۔ کمرے کی فضا پر دل ہلا دینے والا سکوت طاری تھا۔۔۔ اور اب ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے فریدی بھی اس کی موت سے متاثر ہو گیا ہو۔

وہ سب دم بخود کھڑے تھے اور ان کی پرچھائیاں ایسی لگ رہی تھیں جیسے دیوار پر موت کے تاریک سائے جم گئے ہوں۔

ختم شد